الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبهم لذکر اللہ

کیا ایمان داروں کے لیے اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر قرآن کی طرف جھک پڑیں

ترجمان القرآن

مرتبہ
ابو محمد مصلح کان اللہ لہ
حیدرآباد دکن

فی پرچہ آٹھ آنے

سالانہ پانچ روپے

جلد (۱)	فہرست مضامین رجب المرجب ۱۳۵۱ھ	نمبر (۱)

خالی صفحه

عالمگیر تحریکِ قرآن

مختصرات

"عالمگیر تحریک قرآن" کا عنوان مستقل عنوان ہے جس کے تحت مقدس تحریک سے متعلق مقالات سپرد ہوا کریں گے۔

"دنیائے قرآن" میں واقعات قرآن مجید کے متعلق مختصر خبریں درج ہوا کریں گی۔

"قرآن اور اُس کی تعلیم" بھی مستقل عنوان ہے جس کے تحت پہلا مضمون "خدا کا فرمان اور ہم" مولانا ابوالخیر محمد خیر اللہ صاحب کا درج کیا جارہا ہے جو خدا کرے مسلمانوں کی تشویق کا باعث بن سکے۔

"ذالک الکتب لاریب فیہ" مولانا سید مناظر احسن گیلانی استاذ جامعہ عثمانیہ کا مضمون ہے انشاء اللہ آپ کے جذبات عالیہ ہر ماہ اسیطرح پیش ہوا کریں گے۔

"ہماری ہار اُس اور ہم" ع۔ ش۔ ایم۔ اے صاحب کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے مسلمانوں کیلئے اسی قسم کے مضمون ضروری بھی ہیں اور مفید بھی، ضرورت ہے کہ سنانے والوں ہی کو سنایا جائے اور جو لوگ کچھ کر رہے ہیں انھیں کو حقیقت سے آگاہ کیا جائے۔

"عربی زبان سیکھنے کے لئے قرآن مجید کافی ہے" جناب نواب سیف نواز جنگ بہادر سلطان المکلا کا یہ مضمون علمی بھی ہے اور عملی بھی۔

"تبلیغ کا حکم اور اُس کی تعمیل" حاجی محمد موسیٰ خاں صاحب تاولی کا مضمون بھی ہر ماہ ترجمان القرآن میں درج ہوا کرے گا۔

"قرآن کی رہنمائی میں سائنس کے کرشمے" جناب مولوی عبدالرزاق صاحب ایم۔ ایس سی کا مضمون دلچسپ بھی ہے اور "دنیائے نئی روشنی" کی توجہ کا مستحق بھی۔

علامہ عبداللہ العمادی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں "ناسخ و منسوخ" جیسا اہم

اور ساتھ ہی ادبی چاشنی لئے ہوئے آسان اور عام فہم مضمون کا عطیہ شکریے کا مستحق ہے۔

"حکومتِ الٰہی" اس مستقل عنوان کا حامل ان مضامین کو ہونا چاہیے جس کا فقدان دنیا کی ہر قوم کے لئے عموماً اور عالمِ اسلام کے لئے سب سے بڑی مصیبت کا سبب بنا ہوا ہے۔ یقیناً انسانیت اس وقت تک امن وسلامتی کا سانس نہیں لے سکتی جب تک اپنے اوپر آسمانی قوانین کا نفاذ نہ کرے اور حکومتِ الٰہی کے تحت نہ آ جائے۔

"عبدیتِ الٰہی" کا مستقل عنوان بھی از ین قبیل ہے۔ فرعونیت اور نمرودیت کا قلع قمع اسی سے ہوتا ہے اور عبد و معبود کا صحیح تعلق اسی سے قائم ہوتا ہے۔ اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی اس منزل کیلئے شمعِ راہ ہے اس لئے قرآنی قصے ہر ماہ شائع ہوتے رہیں گے

"محبتِ الٰہی" تحریکِ قرآن کا آخری مقصد ہے۔ اس کے حصول کے بعد ایک انسان کے لئے اور کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔ اس مقدس عنوان کے تحت مولانا سید شاہ عبدالقادر صاحب صوفی کا عارفانہ اور قابلانہ مضمون "محبت کا مقام" شائع کیا جا رہا ہے جو مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ دنیا کی دوسری قوموں کے لئے بھی ضروری اور مفید ہے۔

"حضرت فضیل بن عیاضؒ" کو بھی اسی عنوان کے تحت رکھا گیا ہے۔ "شیدائیانِ قرآن" کے ایک درمیانی عنوان کے تحت آئندہ بھی اسی طرح کے تذکرے شائع ہوتے رہیں گے۔ انشاء اللہ

اگر موقع ہوا تو "قرآنی خط و کتابت" کے لئے بھی جگہ نکالی جائے گی جس میں وہ خط و کتابت اور مراسلت شائع ہوگی جس کو تحریکِ قرآن سے کوئی مناسبت ہوگی

مُدیر

دُنیائے قرآن

امیر ابن سعود نے اس سال حج کے موقع پر جو خطبہ دیا اس میں ایک جگہ پر کہا۔

"میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بالکل مفلس ہوں میرے پاس کوئی دولت
نہیں" تلوار اور قرآن کے سوا میں کسی چیز کا مالک نہیں"۔

"غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا شہر سمرنا میں داخلہ بھی اسی حیثیت سے ہوا تھا کہ ایک ہاتھ میں قرآن مجید تھا اور دوسرے میں تلوار تھی"
اسی کو ہندوستان کے ایک مشہور شاعر نے یوں کہا ہے۔

تیغ و قرآن

آن مسلمانان کہ میری کردہ اند — در شہنشاہی فقیری کردہ اند

حکمرانی بود و سامانے نداشت — دست او جز تیغ و قرآنے نداشت

۲

صوبہ بمبئی مسلم ایجوکیشنل کانفرس کے اجلاس منعقدہ پونا میں باتفاق آرا یہ تحریک پاس ہوئی:۔

"یہ کانفرس عام مسلمانوں سے پرزور درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنے اور اپنی اولاد کے
لیے قرآن مجید کی تعلیم معنی و مطلب کے ساتھ عمل کی نیت سے عام اور لازمی قرار دیں
اور اس کیلئے جو ممکن صورتیں ہوں ان کو اختیار کریں"۔

۳

"مجلس تحریک قرآن مجید ممالک محروسہ سرکار عالی کی طرف سے ذیل کے محضر پر دستخط لئے جا رہے ہیں"

اور اس کے بعد باضابطہ طور پر گورنمنٹ نظام میں تجویز پیش ہوگی۔

نقل محضر

"ہم مسلمانانِ ساکن ...... قرآن مجید کی تعلیم معنی و مطلب کے ساتھ عمل کی نیت سے متحدہ قومیت کے اصول پر اپنے اور اپنی اولاد کیلئے لازمی قرار دیتے ہیں۔ نیز حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اور ہماری اولاد کیلئے ہماری مرکزی کتاب قرآن مجید کی تعلیم معنی و مطلب کے ساتھ دلانے کا لازمی طور پر سامان فرمائے جسکے بغیر نہ تو ہم قابلِ قدر شہری بن سکتے ہیں اور نہ جسکے بغیر ہمارے لئے دوسری تعلیم کار آمد ہو سکتی ہے۔"

۴

"معنی دار پارۂ عمّ مع بچوں کی تفسیر" کی اشاعت نے بڑا کام کیا۔ خانگی طور پر اور سرکاری و غیر سرکاری مدارس میں اکثر جگہ اس کا داخلہ ہوا۔ اب معنی دار قرآن مجید مع بچوں کی تفسیر شائع کرنے کا سامان ہو رہا ہے جس سے امید ہے کہ "مسلمانوں کی آئندہ نسل اور قرآن" کا مسئلہ بہت کچھ حل ہو جائے گا۔

۵

مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے ہے کہ قرآن کی خدمت کے لئے بائیبل سوسائٹیوں کی طرح ایک علمی اور اشاعتی ادارہ قائم کیا جائے جو پچاس ہزار روپیہ کے سرمائے سے بخوبی چلایا جا سکتا ہے۔

مولانائے موصوف نے اپنی تفسیر کا حصہ اول ترجمان القرآن کے نام سے بڑی امیدوں کے ساتھ شائع فرمایا ہے مگر بقیہ دو جلدوں کی اشاعت کے بعد ہی کسی صحیح نتیجہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔

مُدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاجدارِ دکن کی خدمت میں ایک خط

فرمانروائے مملکتِ آصفیہ پر اللہ تعالیٰ کی بیشمار رحمتیں ہوں

امابعد! آج مسلمانوں کی جو کچھ حالت تباہ ہے اس کا واحد سبب قرآن مجید کے علم و عمل کا فقدان ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پھر جب تک اس کا سامان نہیں ہوتا یہی حالت رہیگی اور ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ خراب ہو جائے

تاجدارِ دکن! اللہ بزرگ و برتر نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ اپنے قلمرو میں مسلمان بچوں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم معنی و مطلب کے ساتھ عام اور لازمی فرمادیں۔ نیز جامعہ عثمانیہ میں قرآنی علوم و فنون کی تعلیم کا خاص طور پر انتظام ہو۔

ہمارا ایمان ہے کہ شاہِ دکن کی مبارک زندگی میں اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا مقدس، اہم اور ضروری کارنامہ نہ ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اس سب سے بڑی مراد کو سلطان العلوم کے ذریعہ سے برلائے۔ آمین۔

فقیر ابو محمد مصلح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظہورِ رحمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۔ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۔ پ۱۵ کہف

ہر طرح کی حمد و ثنا کے لائق وہ ذاتِ پاک ہے جس نے اپنے بندۂ خاص رحمۃ للعالمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب قرآنِ مجید نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی تاکہ اس کا ہر حکم آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکے اور قابلِ عمل بن سکے۔

وہ کتاب مقدس ہمیشہ دینِ صحیح کو قائم رکھنے والی ہے اور اس کا نزول اس لئے ہوا ہے کہ نافرمانوں کو اس سخت عذاب سے ڈرایا جائے جو منجانب اللہ ہوگا۔ اور ان ایمان والوں کو اچھے اجر کی خوشخبری دی جائے جو نیک کام کرتے یعنی اس پر عمل پیرا ہیں۔

درود وسلام

بہت برتر و بزرگ اور عزت و جلال والے خدا اور اس کے فرشتوں کے ساتھ درود اور سلام بھیجیے اس انسانِ کامل پر جس کی شان والا میں ارشاد ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ

يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

یہ وہ مقبول ذات ہے جس کا اُسوۂ حسنہ بنی نوع انسان کے لئے باعث نجات و فلاح قرار پایا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کیونکہ اس گرامی قدر ہستی کی ہر حرکت قرآن تھی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔

ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود خدائے قرآن نے قرآن سکھایا اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اور حکم فرمایا يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ اے نبی جو احکامات تم پر نازل کئے جاتے ہیں ان کو لوگوں تک پہنچا دو۔ کیونکہ قرآن کی صداقت اٹل ہے لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ اور جملہ اقوام عالم کے لئے ہے اس لئے کہ اس میں سارے قیم اور اٹل نوشتے موجود ہیں۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ اور پھر یہ سب کچھ اس لئے ہیں کہ اس کے سوا اور کوئی جائے پناہ نہیں۔ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۔

حکومتِ الٰہی

اور اس کتاب مقدس کی سب سے پہلی غرض تو یہ ہے کہ روئے زمین پر آسمانی قوانین کا نفاذ ہو اور حکومتِ الٰہی کا قیام رہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ کیونکہ حکم اللہ ہی کا حکم ہے اور حکومت اللہ ہی کی حکومت وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور جو کوئی احکامات قرآنیہ کے خلاف حکم کرے گا وہی ناانصاف ہے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ اور جو کوئی اس مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰهِ کے خلاف حکم کرے گا وہی کافر ہے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ اور جو کوئی اس مجموعہ قوانین الٰہی کے سوا حکم کریگا وہی فاسق ہے۔

عبدیتِ الٰہی

اور یہ خدا کا آخری پیغام انسانوں کی زندگی کا مقصد بنا کر صراطِ مستقیم پر لے چلنے اور منزلِ مقصود تک پہنچا دینے کے لئے ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔

محبتِ الٰہی

اور پھر یہی قرآن محبوبِ حقیقی کا اُن لوگوں کے لئے نامۂ محبت ہے جن کے قلب میں اللہ کی محبت کے سوا کسی چیز کی سمائی نہیں۔ وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ۔

حرفِ مطلب

رحمٰن و رحیم خدا کا رسول بھی سراپا رحمت، اس کی کتاب کا ہر حرف بھی رحمت اور پھر کائنات کی وہ کون سی چیز ہے جو اس کے رحم و کرم سے خالی ہے وَسِعَتْ رَحْمَتِيْ كُلَّ شَيْءٍ۔ بس اسی کے گوشۂ چشم کی امید پر ان مقاصدِ عالیہ کی نشر و اشاعت کے لیے "ترجمان القرآن" کی مختصر سی صحبت قائم کی جا رہی ہے جس کے قبول کئے جانے کی بارگاہِ بے نیاز میں عاجزانہ التجا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

ابو محمد مصلح

قرآن اور اُس کی تعلیم

خدا کا فرمان اور ہم

(الحاج مولانا ابوالخیر محمد خیر اللہ صاحب خیرؔ ارونگل)

آقائے کون و مکان حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا، دلوں میں زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے میں پانی لگنے سے زنگ لگ جاتا ہے: معروضہ کیا گیا۔ یا رسول اللہ صلعم پھر وہ دور کس طرح ہوتا ہے فرمایا موت کو خوب یاد کرنے اور تلاوت قرآن مجید سے (بیہقی)

امور دینی سے موجودہ بے تعلقی کی نسبت ہم غور کرتے ہیں تو سلسلۂ غور و فکر ہم کو اس نتیجہ پر پہنچا دیتا ہے کہ فی الواقع ہمارے دلوں پر زنگ آ گیا ہے جس کے باعث ہم مذہب سے نا آشنا ہو چکے ہیں۔ خدا کا خوف نہیں رہا۔ آخرت کا کبھی خیال تک نہیں آتا جب دنیا اور سروریات دنیا کی یہ مصروفیت آخرت فراموشی کی کیفیت، اسی زنگ آلودگی کا نتیجہ ہے تو اس کے دور کرنے کیلئے جس نسخے کا اعلان بارگاہِ حضور نبوت پناہ صلعم سے فرمایا گیا ہے اس سے استفادہ لابدی ضروری اور لازمی ہے۔

جب اس نسخہ سے ہمارے دِل دُھل کر پاک صاف ہو جائیں گے تو اس مصفا آئینہ میں ہماری دنیا اور ہماری آخرت کا واقعی عکس اُتر آئیگا جس میں دین و دنیا دونوں کو سنبھالنے کے صحیح طریقہ کو ہم دیکھ دیکھ کر اختیار کر سکیں گے۔

حدیث میں ارشاد ہے لاخیر فی قرءۃ الّا بتدبر (ترمذی شریف) بے سمجھے بلا غور و تامل قرآن کی تلاوت میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہے۔ اس لئے فرمایا جو تین دن سے کم میں

قرآن ختم کرے گا وہ فیضانِ قرآن سے محروم رہیگا۔

یہ اُن ذواتِ قدسیہ سے ارشاد ہوا تھا جن کا درجہ انبیاء و مرسلینؑ کے بعد سب سے ارفع و اعلیٰ ہے جن کو ہم صحابۂ کرام کہتے ہیں جن کی مادری زبان عربی اور جو قرآن کے اوّلین مخاطب تھے ان امور کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد متذکرہ حدیث شریف کے منشا کے لحاظ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ ہم سے بہت زیادہ اہتمام اور غور و فکر کی طالب ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت بجائے خود ایک عبادت اور اس کا بلا معنی پڑھ لینا بھی موجب ثواب ہے حتیٰ کہ اس کی طرف صرف نگاہ کرنا بھی باعثِ اجر ہے لیکن اس کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ سمجھنے کی جس قدر شدید ضرورت ہے اس کی نسبت تاکید اکید جا بجا خود قرآن مجید اور حدیث شریف میں موجود ہے۔

یہ کس قدر لائق افسوس امر ہے کہ ہم لوگوں نے قرآن کو عملاً طاقِ نسیاں کا ایک گلدستہ بنا رکھا ہے یہ تو اس وقت تک مخمل اور کمخواب کے غلافوں سے باہر نہیں نکلتا جب تک کہ کوئی خاص وجہ کسی کے سوم یا چہلم کی داعی نہ ہو جائے۔ خیر اس نوبت پر بھی کچھ پڑھ لیا تو معنی و مطلب سے کوئی واسطہ ہوتا ہے نہ غور و تدبر سے کوئی تعلق۔ حالانکہ فرمانِ الٰہی پکارے جا رہا ہے کہ اس کے نزول کی غرض محض ہماری صلاح و فلاح ہے اور اسی لئے خدائے کریم نے اس کو آسان بھی فرما دیا ہے۔ " وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ "

آج ترجموں اور تفسیروں کی کمی نہیں ہے۔ کمی ہے ہماری توجہ کی ضرورت ہے کروٹ بدلنے اور ہماری بیدار ہونے کی۔ ہمارے بزرگانِ دین و سلف صالحین قرآن کو پڑھتے تھے تو سمجھتے بھی تھے اور اس سے عملاً مستفید ہوا کرتے تھے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے نام جو انگریزی نہیں جانتا کہیں سے کوئی تار آجاتا ہے تو وہ

اُس وقت تک حیران و پریشان رہتا ہے جب تک کہ کسی انگریزی داں سے اُسے پڑھا نہ لے۔ اگر پڑھ کر سمجھانیوالے سے کسی لفظ کا مطلب حل نہ ہوسکے تو وہ اس تار کو لیا ہوا کسی دوسرے انگریزی داں کے گھر پہنچ جاتا ہے اور جب تک مضمونِ تار کی نسبت کافی اطمینان نہ ہو جائے چین سے نہیں بیٹھ سکتا یہ فکر و تردد دِن ہی کی سہولتوں میں نہیں ہوتا رات کی دقتیں بھی اِس کشود کار میں مانع و مزاحم نہیں ہوسکتیں ممکن نہیں کہ کوئی تار جیب میں رکھ کر میٹھی نیند سو جائے جب یہ کسی موقع یا قریہ کا واقعہ ہوتا ہے تو یہ دیکھا گیا ہے کہ اُس کو لیکر لوگ اسٹیشن پر بھاگے ہوئے تین تین چار چار میل گئے کہ اس کو کسی سے پڑھوا کر مضمون اور بھیجنے والے کے پیام سے واقف ہو جائیں۔

یہ سب کیوں ہوا یا ہوتا ہے؟ اِس خوف سے کہ اس میں کوئی مصیبت خیز یا آفت انگیز اطلاع نہ ہو یا کسی ایسی فائدہ کی بات نہ ہو جس کے معلوم کرنے میں دیر ہو جانے سے کوئی نقصان ہو جائے یا موزوں وقت ہاتھ سے نکل جائے۔

کیا مسلمانوں کے لئے اس کتاب مستطاب میں مصیبت یا مسرت کی کوئی چیز نہیں ہے؟ اِن کے مستقبل یا اِن کی آخرت کی صلاح و فلاح سے متعلق کوئی اِطلاع کوئی خبر کوئی تاکید کوئی نصیحت و موعظت اس میں درج نہیں ہے: پھر قرآن مجید نے یہ کیا فرمادیا ' لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ کِتَابًا فِیْہِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ ہم نے تمہارے لئے (یہ) ایک کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا ذکر مذکور ہے پھر تم اس کو سمجھتے نہیں؟

پھر یہ کیا ہے کہ ہم مسلمانوں کی نظروں میں پروردگار عالم کے اس فرمانِ ذی شان کی (خاکم بدہن) اتنی وقعت بھی نہیں رہی جتنی کہ ایک تار کی جب ہم مسلمانوں کے دین اور ہماری دنیا دونوں کا یہ واحد قانون ہے تو اس سے یہ بے تعلقی کیسی۔ جب غیر زبان میں کسی تار کے وصول ہوتے ہی اس کو رکھ نہیں دیا جاتا تو پھر خدا کے اس فرمانِ ذی شان کو جس میں ہمارا بھلا بُرا، مرنا جینا،

سب کچھ درج ہے ایک دو دن نہیں مہینوں نہیں برسوں بلکہ مدت العمر طاق نسیاں کا ایک گلدستہ بنا کر اس کو یونہی بے پڑھے کیوں چھوڑ دیا جاتا ہے؟ کیا ہماری اس بے پروائی کا (معاذ اللہ) یہی سبب ہے کہ ہمارے ذہن و خیال میں آخرت کا (جسکی اطلاعات سے یہ بھرا ہوا ہے) وجود فرضی یا خیالی ہے؟ کیا ان مذکورہ امور سے کبھی ہمارا سابقہ پڑنے والا نہیں ہے؟ اگر خدا کا یہ فرمان مسلمانان ہند کیلئے غیر زبان میں ہے تو اس کے ترجمے کیا موجود نہیں ہیں؟ اگر وہ صاف طور پر ذہن نشین نہیں ہوتے یا ان کے با محاورہ ہونیکے بعد بھی بعض یا اکثر مقامات کے سمجھنے میں ہمارا ذہن نارسا اور ادراک قاصر نظر آتا ہے تو کیا اس کلام پاک کی تفسیریں موجود نہیں ہیں جب یہ سہولتیں موجود ہیں تو ہم دن بھر میں اس سے کسقدر واقف ہونیکی کوشش کرتے ہیں؟ چوبیس گھنٹوں کی فرصت میں سے اسکے واسطے کسقدر وقت کو وقف کیا ہے۔ کم از کم عمر بھر میں ایک دفعہ اسکو ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ کبھی پڑھ کر بھی دیکھا کہ خدا کے اس فرمان میں کیا کیا لکھا ہوا ہے اور آئندہ کس قدر ذمہ داریاں ہم پر عائد ہونیوالی ہیں۔

کیا اس کی قدردانی اس حد میں محدود ہو چکی ہے کہ اسکو مخمل و کمخواب کے جزدانوں میں لپیٹ لپیٹ کر رکھ چھوڑیں اور بے خبری کی یہ انتہا ہو کہ ان جزدانوں پر گرد و غبار کی تہیں جم جائیں۔ بالآخر پھر اس دن ان جزدانوں سے باہر نکلے جس دن کسی کیلئے ایصال ثواب کی مجبوری پیش آ جائے یا ام الصبیان میں کسی بچے کو ہوا دینے کی ضرورت داعی ہو۔ یا کسی کے عالم نزع میں یٰسین خوانی ناگزیر ہو جائے۔ یا کسی کی بتائی ہوئی آیت کو تلاش کر کے تعویذ لکھنا ضروری ہو۔ یا بدقسمتی سے کسی بات یا جھگڑے پر حمل قرآن (قسم) کی آ ٹھیرے۔ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۔ فَاَمِنْ تُرَ هُوْدَ

سید الاولیا حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اگلے لوگ یہ باور کرتے تھے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان ہے جو انسانوں کے نام آیا ہے۔ اس لئے راتوں کو وہ اسے پڑھتے تھے تو اس پر غور و تامل کر کے صبح میں اس کے مطابق عمل بھی شروع کر دیتے تھے۔ مگر تم لوگوں نے تو صرف

اس کا پڑھنا اختیار کر لیا ہے اس کے زیر و زبر کو تو درست کر لیتے ہو مگر اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی نہیں سوجھتی۔ یاد رکھو پڑھنا سمجھنے اور واقف ہونے کے لئے ہے اور واقف ہونا عمل کرنے کے لئے پھر جو لوگ پڑھتے اور سنتے تو ہیں مگر اس کو سمجھنے اور غور نہیں کرتے۔ عمل کے لئے تیار نہیں ہوتے اُن کی مثال ایسی ہے کہ کسی غلام کے نام اس کے مالک کا فرمان آئے۔ اس میں تعمیلِ احکام موجود ہوں۔ غلام اس فرمان کو لے اور بیٹھکر خوش الحانی سے اس کے حروف کو صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کرے لب و لہجہ کو تو درست کرتا جائے مگر اس فرمان کی غرض و غایت کو خیال میں نہ لائے اس فرمان کی تعمیل پر آمادہ نہ ہو جائے۔ ان امور کو چھوڑ کر اس فرمان کو کسی ریشمی یا مخمل یا کمخواب کے غلاف میں لپیٹے۔ خوشبو دے۔ اس پر عطر مل کر یا مشک و زعفران میں بسا کر کسی بلند سجے ہوئے آراستہ و پیراستہ مقام پر رکھ دے۔ تو مالک ایسے غلام کا کیا حال کر دے گا۔ باوجود اس قدردانی کے بالزام عدم تعمیل احکام وہ غلام سخت سزا ہے یا نہیں "

جب ہمارا یہ رنگ ہی تو زنگ جو دلوں پر آگیا ہے کس طرح دھلے؟ اور حالت کس طرح سنبھلے؟؟

فتامل! وتبصر!! وتدبر!!!

ہاتف کی صدا

تعبیر اپنے خواب پریشان کی یہ ملی — ہاتف نے دی صدا کہ بس ایمان چاہیئے
مُسلم کے درد کا نہیں اس کے سوا علاج — دونوں جہاں کے واسطے قرآن چاہیئے

"مُصلح"

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ

(مولانا سید مناظر احسن گیلانی)

انسان کے ہاتھوں نے اپنے مغز کی باتوں کو کاغذوں پر اوتارا، پھیلایا، اتنا پھیلایا، پھیلاتے رہیں گے کہ اٹلانٹک کے ایک ساحل کو دوسرے ساحل سے ملایا جا سکتا ہے، کتنی کتابیں، کتنے رسالے، کتنے اخبارات، کہ زمین کے کرّہ کو اس میں اب ہم لپیٹ سکتے ہیں، تہوں پر تہیں چڑھا سکتے ہیں، اور یقیناً ہماری اور ہمارے ہاتھوں کی انگلیوں کی یہ کمائی پھر بھی بچ جائے گی۔ آخر ان سیاہیوں کو کون تول سکتا ہے، کاغذ کے ان دستوں کو کون ناپ سکتا ہے، لکڑی یا لوہے کے ان ٹکڑوں یا قلموں کو کون گن سکتا ہے جو اب تک اس راہ میں خرچ ہوئے یا آئندہ ہونے والے ہیں

لیکن

جس نے لکھا اور جس کے لئے لکھا گیا، ان میں کون ہے جس نے یقین کے ساتھ ان کو لکھا یا یقین کے ساتھ اس کو پڑھا۔ برنارڈ شا کے تمثیلی حکایات ہوں یا شرلاک ہومز کے اختراعی روایات، ہوشربا کی داستانیں ہوں یا پریم چند اور سدرشن کے افسانے۔ ہم جھوٹ بول رہے ہیں اور ہم سے جھوٹ بولا جا رہا ہے۔ کیا لکھنے والے اور پڑھنے والے دونوں اس یقین کے سوا اپنے اندر کوئی اور یقین رکھتے ہیں؟ مرزا داغ کا قدم اگر سچ کی چٹانوں پر نہ تھا تو تم سے کس نے کہا کہ مسٹر شیکسپیر کی تمثیلیں بھی ہوا کے سوا کسی اور چیز کی دیوار پر قائم تھیں، یا مورّخ خود بھی جانتا ہے کہ وہ جو کچھ لکھتا ہے

قیاس اور تخمینہ کے سہارے پر لکھتا ہے اور تاریخ کے پڑھنے والے بھی جانتے ہیں کہ اٹکل سے نکالے ہوئے نتیجوں کے سوا تاریخ کی کتابوں میں اور کچھ نہ ملے گا۔

یہ تو اُن باتوں اور زبان کی درازیوں کا حال ہے جنہیں لکھکر، ہم نے علم کا لقب عطا کیا ہے۔ لیکن جو واقعی علوم ہیں اور جن کے نتائج پر زندگی کے بیشمار کاروبار چل رہے ہیں، بلاشبہ نتائج تو صحیح ہیں لیکن ان نتائج کے لئے جن قوانین کو ہمارے دماغ نے اصول کی شکل میں پیش کرنا چاہا ہے، تم نہیں جانتے، لیکن اصول کے جاننے والے جانتے ہیں کہ انھوں نے بھی اُن کو اس حد تک نہیں جانا ہے اور شاید جان بھی نہیں سکتے جس کے بعد علم پر یقین کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس عینی اور غیر فلسفی دماغ کو کون فلسفی کہہ سکتا ہے جو اپنی فلسفیانہ کوششوں میں "شک" اور "ارتیاب" "تذبذب" اور "دبدہا" کے خارستانوں تک نہ پہنچ گیا ہو" شک ہی کے کانٹے اور "تذبذب" ہی کے انگارے فلسفیانہ محنت کی سب سے بڑی اور یقیناً سب سے بڑی قیمتی مزدوری ہیں سائنس اور ریاضی کے نتائج سے کسے انکار ہے کون کہتا ہے کہ دن نہیں ہوتا اور رات نہیں آتی، فصلیں نہیں بدلتیں، موسم نہیں پلٹتے، لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے انسان سے پوچھو کہ جن اصولوں سے اُن نتائج کو مختلف زبانوں کے مختلف دماغوں نے وابستہ کیا ہے کیا اُس کی درستگی پر انہیں یقین تھا یا اُس پر یقین کے لفظ کے استعمال کا کوئی حق رکھتا ہے۔

اُمتیں کہتی ہیں، آدم زاد کی مذہبی جماعتوں میں غل ہے کہ ان کے پاس یقین ہے۔ نصرانی کہتے ہیں کہ انجیل یقین ہے، یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ تورات میں اطمینان ہے، ہندوؤں سے سنتا ہوں کہ وید میں شانتی ہے، علمی ڈگمگاہٹ کے لئے گیتا میں قرار ہے کہ یہ علام الغیوب کی کتابیں ہیں جنھیں بتایا گیا ہے جو گزر چکے اور اُن کو بھی جو گزر رہے ہیں اور انھیں بھی جو گزرنے والے ہیں وہ بھی اُس کے سامنے ہیں جو ہمارے سامنے ہیں اور وہ بھی جو ہمارے سامنے نہیں ہیں، حال جس کا

علم اتنا محیط ہو، کیا شک ہے کہ اسی کی کتاب، اسی کی تصنیف کہہ سکتی ہے کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے مگر کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ ان قوموں کے پاس اب وہ کتاب باقی رہ گئی ہے جسے خدا کے نمائندوں اور رسولوں نے انھیں سپرد کی تھیں، وید ہو یا اوستا، تورات ہو یا انجیل، تعلیمات بودھ یا تلقینات کنفوشس، کیا کسی کے پاس وہ چیز اپنی اصلی شکل میں باقی رہ گئی ہے جس شکل میں انھیں ملی تھیں۔ اندرونی اور بیرونی شہادتوں کی اس پکار سے کانوں میں انگلیاں وہ کیوں ٹھونستے ہیں جو محض اپنی قومی اور ملی انانیت یا خودی کے نشہ میں اس حادثہ کو نہیں دیکھنا یا سننا چاہتے ہیں جو خود ان کے ہاتھوں یا ان کے پیشواؤں کے ہاتھوں سے ان کی کتابوں پر گزر گیا۔

خدا کی باتوں میں انسانی خواہشوں کی خمیر مل گئی ہے، اب اس کو جدا کرنے کی کس میں طاقت ہے؟

پس اب

برٹش میوزیم کی طویل الذیل الماریوں، پیرس اور نیو یارک کی عظیم الشان لائبریریوں، برلن اور ویانا کے لق و دق کتب خانوں، ہاں مشرق و مغرب کے سارے کتابی ذخیروں کے درمیان زمین کے چہرے پر اگر

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

کا دعوے کسی کتاب کے متعلق کیا جاسکتا ہے تو وہ صرف وہی کتاب ہے جو شاید ہر مسلمان کے "گھر" میں ہے لیکن غالباً اب کسی کے "اندر" نہیں اِلّا ماشاء اللہ۔

ہمارے مدارس اور تعلیم قرآن

(ع۔ ش۔ ایم۔ اے)

"طلب علم ہر مسلم کا فریضہ ہے" اس ہدایت کی آج کل بار بار تکرار کی جاتی ہے، لیکن کوئی نہیں سوچتا کہ آخر وہ کون سا علم ہے جس کی طلب ہر مسلم پر فرض عین ہے۔ کیا علم تاریخ ہر مسلم پر فرض ہے! کیا کیمسٹری میں تحقیق و تدقیق کا ہر بندۂ مسلم کو حکم ہے؟ کیا حیوانیات اور نباتات میں بصیرت پیدا کرنی ہر کلمہ گو پر لازم ہے۔ جواب ظاہر ہے کہ ایسا نہیں۔ معاش کے لئے جو علم جس کا جی چاہے حاصل کرے لیکن جس حکمت کا حصول، جس علم کی طلب ہر مسلم پر حسب استطاعت فرض ہے وہ علم قرآن ہے، بصیرتِ دینی ہے، حکمت الٰہیہ ہے۔ یہی خیر کثیر ہے، اور یہی مسلمانوں کی کھوئی ہوئی متاع ہے۔ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

مسلم حکمران، محکمہ تعلیمات کے کارکنوں، مسلمان معلموں اور مسلم طالب علموں کا دینی فرض ہے کہ وہ حصول و اشاعتِ علم کی کوششوں میں اولین جگہ تعلیم قرآن کو دیں اور اس تعلیمی نظام کا ایک ایسا عالمگیر جال بچھا ہو کہ اسلام کا کوئی نام لیوا جس سے باہر نہ ہو سکے۔

گھر کی تعلیم تعلیم و تربیت کی پہلی منزل گھر ہے، ہر مسلم پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم ضرور دلوائے اور جو ایسے نیک نیت ہیں کہ مروجہ طریقہ پر تعلیم دلواتے ہیں ان کو چاہئے کہ ترجمہ کے ساتھ دلوائیں کہ اسی سے ان کے بچے سچے مسلمان بن سکیں گے اور یہی قرآن کا حقیقی مقصد ہے۔ بچوں کی تعمیر کے نام سے مرکز تحریک

قرآن حیدرآباد دکن نے جو پارہ عَمَّ شائع کیا ہے اس کی یہی خصوصیت ہے کہ پہلے مفرد الفاظ کے الگ الگ معنے لکھے گئے ہیں پھر آیات کا ترجمہ درج ہے! اور سورہ کے ختم پر مختصر سا مفہوم درج ہے۔ اس کو بچے اس طرح پڑھ سکتے ہیں جس طرح گرامر اور قواعد جانے بغیر انگریزی کا قاعدہ اور پہلی دوسری وغیرہ پڑھتے ہیں!

ابتدائی مدارس

صرف ہندوستان ہی کو اگر لے لیا جائے تو اس کے طول و عرض میں ہزاروں مدرسے، بچوں کی ابتدائی دینی تعلیم وغیرہ کے لیے قائم ہیں! ہزاروں ایسی انجمنیں ہیں جن کے تحت اسی قسم کے مدارس جاری ہیں! خدا کرے کہ ان میں اور وسعت ہو لیکن ان مدارس کے منتظمین اور ذمہ دار ہستیوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ قرآن مجید کی تعلیم معنی اور ترجمے کے ساتھ بھی ضروری سمجھیں اور اپنے مدرسہ کے لئے حقیقت میں اس کو بمنزلہ روح کے سمجھیں۔

مدارس شبینہ

ان مدارس کے علاوہ شبینہ مدارس بھی بکثرت ہیں جہاں نہ صرف بچوں بلکہ کاروباری عمر رسیدہ لوگوں کو بھی ضروری تعلیم دی جاتی ہے۔ کیا اس ضروری تعلیم میں مسلمانوں کے نزدیک قرآن کی بامعنے تعلیم کو اولین درجہ حاصل نہیں ہونا چاہیے! اگر ایسا ہے تو فھو المراد! ورنہ ذرا سی توجہ سے یہ گوہر مقصود حاصل ہو سکتا ہے۔

سارے علوم خصوصاً قرآنی حکمت اور علوم کی کوئی حد نہیں۔ فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ؕ ہر علم والے پر ایک علم والا ہے۔ لیکن جس حد تک قرآن پاک یہ چاہتا ہے کہ اسے ہر شخص سمجھے اور اس کے نزول کے منشاء کو پورا کرے، قرآن کا ناظرہ اور اردو زبان کی معمولی اہلیت کافی ہے" تحریک قرآن" نے اس کا عملی تجربہ کیا اور بحمد اللہ کامیابی ہو رہی ہے۔

وسطانی و فوقانی مدارس

ملک کے مختلف قصبوں اور شہروں میں مسلمانوں کے وسطانی اور فوقانی مدارس قائم ہیں جس پر مسلمانوں کا کافی روپیہ اور وقت صرف ہو رہا ہے۔ کہیں کہیں ان میں دینیات کی تعلیم بھی ہوتی ہے لیکن جو دینی برکت اور قوت براہِ راست قرآن پاک کی بامعنی تعلیم سے ہوتی ہے دوسری صورت سے ممکن نہیں اور افسوس ہے کہ اسی کا فقدان ہے حالانکہ یہی چیز آئندہ نسل کو ایک اچھا شہری ابنائے جنس کا خیرخواہ اور اسلام کا صحیح نمائندہ بنا سکتی ہے۔ اس لئے والدین کا فرض ہے کہ وہ اربابِ حل و عقد سے اس بات کا مطالبہ کریں کہ ان کے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم بامعنی دیجائے اور طلبہ کو بھی چاہیئے کہ وہ اس کمی کو سختی کے ساتھ محسوس کریں اور جن کے ہاتھوں میں یہ تعلیمگاہیں ہیں اور وہ آسانی کے ساتھ اللہ کی کتاب کی تعلیم کا صحیح طور پر انتظام کر سکتے ہیں تو وسیلے سے پہلے اس کمی کو پورا کریں۔

کلیات و جامعات

مسلمانوں کے کئی کالج ہندوستان میں اشاعتِ علوم کا کام کر رہے ہیں۔ ایک عظیم الشان یونیورسٹی علیگڈھ میں قائم ہے ایک جامعہ دہلی میں ہے لیکن یہ کس قدر افسوس ناک امر ہے کہ پروفیسر گب کو اس بات کے کہنے کا موقع ملا ہے کہ انہوں نے علیگڈھ کے مسلم طلبہ میں اسلامک اسٹڈیز سے کوئی مناسبت نہیں پائی! برعکس اس کے شاید ہندو یونیورسٹی میں گیتا کی تعلیم لازمی ہے اور یہ معلوم کر کے اور بھی صدمہ ہوتا ہے کہ وہاں کے طالب علم خاص طور پر اس طرف توجہ کرتے ہیں۔ ہم مسلم جامعات اور کلیات کے منتظمین پروفیسروں اور طالب علموں سے خاص طور پر استدعا کرتے ہیں کہ وہ اس قدر ضروری کتاب کی تعلیم کو دلچسپ اور ضروری بنا کر پیش کریں کہ ساری شکایات دور ہو جائیں۔

جامعہ عثمانیہ کی قابل تقلید مثال

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ "تحریک قرآن" کا کچھ نہ کچھ اثر ہوا ہے اور حیدر آباد میں تو بعض اصحاب کی مخلصانہ کوششوں سے مجلس نصاب نے جامعہ عثمانیہ کو ایف۔ اے اور سورہ بقرہ کو بی۔ اے کے نصاب دینیات میں جامعہ عثمانیہ کے اندر لازماً شامل کر لیا ہے۔ اگرچہ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی کے ہر بچے کے لئے قرآن مجید کی بامعنی تعلیم لازمی قرار دیجائے اور جامعہ کے اندر قرآنی علوم و فنون کو اصلی چیز قرار دیا جائے تاہم یہ بھی شگون نیک ہے اور اب جامعہ ملیہ دہلی اور مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کو اس کی تقلید میں بعجلت ممکنہ قدم اٹھانا چاہیے۔

ہم مسلمانوں سے یہ نہیں کہتے ہیں کہ وہ اس کام کے لئے نئے مدارس اور جدید تعلیم گاہیں قائم کریں۔ نہیں بلکہ قائم شدہ تعلیمگاہوں کے اندر اتنی بات کا اضافہ فرمائیں کہ قرآن مجید کی تعلیم ضرور ہو اور معنی و مطلب کے ساتھ۔

انشاء اللہ کسی آئندہ صحبت میں ہم جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ اور جامعہ ملیہ دہلی کے نظم و نسق اور قرآن مجید کی خاص تعلیم پر مضمون لکھیں گے کیونکہ قرآن مسلمانوں کی اصل چیز ہے اور اس سے ان جامعات کا خالی رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔

ہم سراپا موت تھے، اے قرآن! تو نے ہمیں زندہ کر دیا،
ہم مادیت میں گھرے ہوئے تھے، اے قرآن! تو نے ہمیں روحانیت بخشی۔
اور اے قرآن! ہم فانی تھے تو نے ہمیں زندۂ جاوید کر دیا۔

"مصلح"

عربی زبان سیکھنے کیلئے قرآن مجید کافی ہے

(جناب نواب سیف نواز جنگ بہادر سلطان المکلا)

عربی زبان کا سیکھنا میرے خیال میں اردو دان کے لئے آسان ہے لیکن اس کو مشکل کر دیا گیا اور سمجھ لیا گیا ہے۔ یا یوں کہئے کہ ایسا طریقۂ تعلیم ہندوستان میں رائج نہیں ہے جس کے ذریعہ سے اس زبان کو سہل طریقہ سے سیکھا اور سکھایا جا سکے۔ برخلاف اس کے عربی سیکھنے والے مبتدی کا شروع ہی سے منشعب۔ صرف میر اور کافیہ وغیرہ پڑھا کر دماغ پریشان کر دیا جاتا ہے اور پھر بھی اکثر فارغ التحصیل لوگ عربی زبان سیکھنے اور سمجھنے پر قادر نہیں ہوتے اور یہ سب عربی طریقۂ تعلیم کا نقص ہے، عربی زبان کا کوئی قصور نہیں۔

میرے خیال میں قرآن مجید عربی زبان کے سیکھنے کے لئے کافی ہے اور پھر قرآن میں یہ کمال ہے کہ آج کل کی عربی کے اکثر الفاظ اور طرز تحریر کے لوازمات اس میں موجود ہیں۔ الفاظ مستعملہ کا ایک اچھا خاصہ اس کے اندر ذخیرہ ہے جو بلیغ بھی ہے اور سہل بھی۔ آپ مقامات حریری یا دیوان متنبی وغیرہ پڑھیں تو اس کے اندر کے غیر مانوس اور غیر مستعمل الفاظ پر شاید ہی عبور حاصل کر سکیں گے۔ اس پر بھی شعراء ادبیات کی حد تک ہی کچھ فائدہ ممکن ہے لیکن قرآن کی عبارت برعکس اس کے ایسی ہے کہ جو عام فہم ہونے کے علاوہ موجودہ زمانہ کے مروجہ الفاظ پر بھی مشتمل ہے اور اکثر کام کے الفاظ قرآن میں ایسے موجود ہیں جن کو آپ ہر تحریر و تقریر میں آسانی کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔ الغرض قرآن مجید جیسا کہ چشمۂ نور و ہدایت ہے ایسا ہی عربی زبان کا معلم اور تحریر و تقریر اور کاروبار کے لئے ہر زمانہ کے واسطے ایک فصیح اور مکمل لغات بھی۔

اردو داں کے لئے عربی زبان کے آسان ہونے کی ایک مثال یہ بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ سورہ فاتحہ جو قرآن شریف کا پہلا سبق ہے اس میں صرف چھ لفظ ایسے ہیں جن کے معنی سے ایک حد تک اردو داں ناواقف ہو سکتے ہیں اگرچہ ان کے مصدری معنی کو ضرور جانتے ہیں لیکن اس سبب سے کہ ان کی شکلیں بدلی ہوئی ہیں یہ الفاظ نامانوس معلوم ہوتے ہیں۔ اگر ان کو یہ طریقہ معلوم ہو جائے کہ کس طرح ہر ایک لفظ کی اصلی صورت پہچانی جاتی ہے تو وہ فوراً ان چھ لفظوں کے معانی بھی سمجھ جائیں اور اگر ایسا ہے تو کیا یہ عربی زبان اور قرآن کے آسان ہونے کی کافی دلیل نہیں۔

الفاظ کی تین قسمیں

مذکورہ ہر سہ اقسام کے الفاظ کی تشریح یہ ہے کہ الفاظ غیر مفہوم سے مراد وہ الفاظ ہیں جو ناقابل فہم ہیں دوسرے الفاظ منقلبہ ہیں جن کو مصدری شکل میں لایا جائے تو اس کے معنے سمجھ میں آ سکتے ہیں اور تیسرے وہ الفاظ مستعملہ ہیں جو اردو زبان میں عام طور پر مستعمل ہیں

الفاظ غیر مفہومہ

لفظ ۔	ال ۔	ل ۔	اِیاکَ ۔	نا ۔	الذین ۔	عَلَیۡھِمۡ
معنی ۔	سب ۔	واسطے ۔	تجھ ہی کو ۔	ہم ۔	جو ۔ جس	اُن پر

الفاظ منقلبہ اور اُن کے مصادر

لفظ	معنی	عربی مصدر	اردو مصدر
نعبد	ہم عبادت کرتے ہیں	عبادۃ	عبادت کرنا

نستعین	ہم مدد طلب کرتے ہیں	استعانۃٌ	مدد طلب کرنا
اِھْدِ	ہدایت کر۔ دکھا	ھِدایۃٌ	ہدایت کرنا۔ راستہ دکھانا
انعمت	نعمت دی تو نے	انعامًا	نعمت دینا
مغضوب	جس پر غضب کیا گیا ہو	غضبًا	غضب کرنا
ضآلین	جمع ہے ضال کی۔ گمراہ	ضلالۃً	گمراہ ہونا

اردو زبان کے مستعمل الفاظ

حمد	حمد	رب	رب	عالم	عالم
رحمٰن	مہربان	رحیم	رحم والا	مالک	مالک
یوم	یوم	دین	دین۔ بدلہ	صراط مستقیم	سیدھا راستہ

ال ۔ لفظ حمد۔ عالمین۔ رحمٰن اور رحیم کے اوپر آیا ہے اور اسم کو خاص کر دینے کا فائدہ دے رہا ہے۔ انگریزی میں ال کے معنے میں آتا ہے مگر اردو میں اس کے کئی معنے ہیں۔

حمد کی دال کے مضموم ہونے کا یہ سبب ہے کہ جملہ کی ابتدا اسی اسم سے ہوتی ہے پس جو اسم جملہ میں پہلے آئے گا وہ اس قاعدے کے مطابق ضرور مضموم ہوگا جیسا کہ الحمدُ اور اسی کو مبتدا بھی کہتے ہیں۔

لِ ۔ کو حرفِ جر کہتے ہیں اس لئے کہ اس کے بعد جو اسم آئے گا وہ مکسور ہوگا جیسا کہ لِلّٰہِ پس لِ کو اور اسی طرح کے دوسرے حرفوں کو حروف جار کہتے ہیں اور جن پر یہ آتے ہیں اس کو مجرور کہا جاتا ہے۔ اب اَلحمدُ لِلّٰہِ ایک جملہ ہے جس کو جملہ اسمیہ کہتے ہیں کیونکہ اس میں فعل

نہیں آیا ہے۔ 'ہے' جو اردو میں حرفِ ربط کہلاتا ہے اس کے لئے عربی جملہ میں کوئی حرف نہیں بلکہ محذوف رہتا ہے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے معنے ہوئے سب تعریف اللہ کے واسطے ہے۔

فعل ماضی مجرد کی شناخت

فَعَلَ۔ فعل ماضی مذکر غائب کا وزن ہے اس کے معنٰی ہوں گے کیا (اس نے) اور دوسرے تمام افعال جو اس وزن پر آئیں گے ان کے معنے بھی فعل ماضی ہی کے ہوں گے۔ مثلاً ضَرَبَ نَصَرَ۔ فَتَحَ وغیرہ۔

فَعَلَ کے عین کی حرکت بدلتی رہتی ہے جیسے فَعِلَ فَعُلَ مثلاً عَلِمَ اور حَسُنَ کہ یہ بھی فعل ماضی ہی کے صیغے ہیں۔

فعل ماضی مزید

مزید فیہ کی حرکتوں میں اختلاف نہیں ہوتا جیسا کہ اِسْتَفْعَلَ ہمیشہ اِسْتَفْعَلَ ہی رہیگا اور مصدر بھی اس کا ہمیشہ ایک ہی وزن پر آئے گا اس باب کا مصدری وزن اِسْتِفْعَالٌ ہے۔ اِسْتِفْعَالٌ کا وزن بھی نہیں بدلتا۔ اس وزن پر جو فعل آئیں گے وہ فعل ماضی ہونگے اور اس کا مصدر ہمیشہ (اِسْتِفَالَۃٌ[1]) کے وزن پر آئے گا جیسے استعان' استعانۃ استعانت' استعانۃ۔

---

[1] حقیقت میں استعانۃ عربی میں کوئی عربی ابواب افعال کا وزن نہیں۔ یہاں سہولت کے لحاظ سے فرض کر لیا گیا ہے۔

لفظ کی اصلی شکل

اب ہم اس راز کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں جس سے لفظ کی اصلی شکل پہچانی جا سکے۔ مصدر فعل کی اصلی شکل ہے اور بہت سے عربی کے افعال ایسے ہیں جن کے مصدر کے معنے اردو دان جانتے ہیں اور جن کے لئے الفاظ منقلبہ کی مثال اوپر گزر چکی ہے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ الفاظ منقلبہ سے اس کی مصدری صورت کس طرح بنائی جائے۔ عربی میں زیادہ تر وزن سے کام لیا گیا ہے۔ وزن کا یہ مطلب ہے کہ ایک لفظ کو دوسرے لفظ کے وزن پر بہ لحاظ ان کے اصلی حروف کے وزن میں لایا جائے۔

الفاظ ثلاثی جو تین حرفوں سے مرکب ہوتے ہیں وہ مجرد فیہ کہلاتے ہیں اور مجرد فیہ کے سارے حروف اصلی ہوتے ہیں۔ اور زمانہ ماضی کی شکل تین حرفوں سے کم میں نہیں ہوتی اور تین حرفوں پر جو حروف زیادہ ہو جاتے ہیں وہ افعال کے اوزان مزید فیہ کہلاتے ہیں۔

قرآن کے الفاظ اگر جسم ہیں تو معنی روح اور اس پر عمل کرنا اس کے خوشنما زیور سے کم نہیں۔
قرآن کے الفاظ اگر پھول کی پنکھڑیاں ہیں تو اس کے معانی و مطالب بمنزلہ رنگ و بو کے ہیں۔
قرآن کے الفاظ اگر سیاہ نقوش میں نمایاں ہیں تو اس کے اندر جو معانی و مطالب ہیں انہیں نور کی شکل میں پنہاں سمجھنا چاہیئے۔

آہ! اے قرآن تو کتنا بلند مرتبہ اور کتنا اعلیٰ و ارفع مقام والا ہے، جس کا ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ کہ ہمارے مادی ہاتھ تجھ کو مس کر رہے ہیں:۔

"مصلح"

تبلیغ کا حکم اور اُس کی تعمیل

(حاجی محمد موسے خاں صاحب - ذناد ۱، علیگڈھ)

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

اے کپڑا اوڑھنے والے کھڑا ہو جا پھر لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی کر اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف کر اور پلیدی کو چھوڑ دے۔

غار حرا میں پہلی وحی کے بعد ایک روز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم راستہ میں تشریف لیجا رہے تھے کہ یکایک آپ کو آواز آئی آپ نے بائیں طرف دیکھا کچھ نظر نہیں آیا آپ نے داہنی طرف دیکھا کچھ نظر نہیں آیا آپ نے پیچھے کو دیکھا وہاں بھی کچھ نظر نہیں آیا آپ نے اوپر کو دیکھا اور آپ کو فرشتہ نظر آیا اور یا ایہا المدثر ۝ قم فانذر ۝ وربک فکبر ۝ وثیابک فطہر ۝ والرجز فاہجر ۝ یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اس وحی میں حکم تھا "لوگوں کو ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی کرو" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ابتدا میں اس حکم کی تعمیل نہایت رازداری سے شروع کی اور سب سے پہلے اپنی زندگی کی شریک حضرت خدیجہ رضی کو مسلمان کیا اور اس عمل سے یہ شرف کہ اسلام کی اولیت کی عزت طبقۂ اناث کی ایک محترم فرد حضرت خدیجہ رضی کو حاصل ہے رہتی دنیا تک طبقہ اناث کے واسطے رہ گیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنے شفیق چچا ابو طالب کی مرضی پا کر انکے بیٹے علی ابن ابی طالب کو پرورش کی غرض سے اپنے پاس رکھ لیا تھا حضرت خدیجہ رضی کے اسلام کے بعد حضور صلعم نے حضرت علی کو اسلام کے زمرہ میں داخل کیا جبکہ حضرت علی رضی کی عمر دس گیارہ برس کی تھی حضرت علی رضی کو یہ شرف حاصل ہے کہ طبقۂ ذکور میں وہ سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور ابتدا ز نبوت سے وفات تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام قرآن مجید جیسے جیسے نازل ہوتا گیا حضرت علی رضی برابر ایک مومن و مسلم کی حیثیت سے اس پر غور کرتے رہے۔ نبوت سے قبل حضرت خدیجہ رضی نے زید ابن حارثہ کو بطور ایک غلام کے محمد رسول اللہ صلعم

تو ہدیہ دیا تھا حضور صلعم نے مثل اپنے بچوں کے زید ابن حارث کو پالا تھا حضرت علیؓ کے بعد حضور صلعم نے حضرت زید ابن حارث کو مسلمان کیا یہ سب گھر کے لوگ تھے۔ اسکے بعد حضرت ابوبکرؓ مسلمان ہوئے حضرت ابوبکرؓ کی تلقین سے عثمان ابن عفانؓ عبدالرحمنؓ ابن عوفؓ سعدؓ ابن ابی وقاصؓ زبیرؓ ابن عوام طلحہؓ ابن عبداللہ یہ لوگ مسلمان ہوگئے اور حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوگئے پھر عبیدؓ ابن حارث ابوعبیدہؓ ابن جراح سعیدؓ ابن زید عبداللہ ابن مسعود عمارؓ ابن یاسر یہ لوگ مسلمان ہوئے۔ یہ اہم کام لوگوں کو ڈرانے اور اپنے رب کی بڑائی کرنے کا محمد رسول اللہ صلعم نے تین برس تک نہایت رازداری سے جاری رکھا۔

ایک روز آپ نے بنی عبدالمطلب کی دعوت کی اس میں چالیس آدمی شریک ہوئے اس دعوت میں آپ کے چچوں میں ابوطالب حمزہ عباس اور ابولہب۔ یہ لوگ کھانا کھا چکنے کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجمع سے مخاطب ہو کر یہ تقریر کی "میں دنیا و دین کی نیکی لیکر تمہارے پاس آیا ہوں مجھے اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ تم لوگوں کو اسکی طرف بلاؤں پھر تم میں کون ہے جو میرا بار اس معاملہ میں اٹھائے اور یہ کہ میرا بھائی اور میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ بنے"۔ یہ تقریر ابوالفدا سے ترجمہ کی گئی ہے اس میں لکھا ہے کہ اسکے حضرت علیؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی "یا رسول اللہ میں اس کام میں آپ کی مدد کرونگا" اور چلے گئے تو ان لوگوں نے مذاق سے ابوطالب سے کہا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے کہ بیٹے کی اطاعت کر۔ اس دعوت کے قصہ کی طرف فتح الباری شرح صحیح بخاری میں بھی اشارہ ہے کہ یہ دعوت "وانذر عشیرتك الاقربین ۝ واخفض جناحك من اتبعك من المؤمنین (الشعرا) اور ڈرا اپنے خاندان کے قرابت والوں کو اور جو شخص ایمان والوں میں سے تیری پیروی کرتا ہے اسکے واسطے اپنا بازو نیچا کر دے" اس آیت کی تعمیل کیلئے تھی۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر چڑھ گئے اور آپ نے نام بنام قریش کے قبیلوں کو آواز دی کہ اے گروہ قریش کے مرد عورت ... اور بچے

اکٹھا ہو گئے جو لوگ کسی ضرورت کے سبب سے نہیں آسکے انھوں نے قاصد بھیجے تاکہ دیکھیں کہ کیا قصہ ہے آنیوالوں میں ابو لہب محمد رسول اللہ صلعم کا چچا بھی تھا حضور صلعم نے فرمایا "اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ اس وادی میں لشکر ہے جو تم پر چھاپا مارنے کا ارادہ کر رہا ہے تو کیا تم میری تصدیق کروگے" ۔ لوگوں نے کہا ہاں ہم نے تجھے تجربہ سے سچا پایا ہے" محمد رسول اللہ صلعم نے فرمایا "میں تم لوگوں کو ایسے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے ہاتھوں کے درمیان ہے اپنے نفسوں کو خرید لو تم کو اللہ سے کوئی چیز بے نیاز نہیں کرسکتی ہے بنی عبدمناف تم کو اللہ سے کوئی چیز بے نیاز نہیں کرسکتی" اس مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس ابن عبدالمطلب آپ کی پھوپی صفیہ آپ کی صاحبزادی فاطمہ بھی تھیں محمد رسول اللہ صلعم نے فرمایا "اے عباس ابن عبدالمطلب تجھ کو اللہ سے کوئی چیز بے نیاز نہیں کرسکتی اور اے صفیہ تجھے اللہ سے کوئی چیز بے نیاز نہیں کرسکتی اور اے فاطمہ بنت محمد صلعم تجھ کو اللہ سے کوئی چیز بے نیاز نہیں کرسکتی" آپ نے فرمایا قریش! "اپنے کو آگ سے بچالو" بدنصیب ابولہب نے کہا (نعوذ باللہ) "تجھ پر تباہی آئے" اور ابولہب کے گڑبڑ مچانے سے مجمع منتشر ہوگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر تشنہ رہ گئی لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ شعرا کی مذکورہ آیت کی تعمیل کردی ۔ بدنصیب ابولہب کی بددعا خود اسی پر لوٹ کر پڑی اور اس پر اللہ کی جانب سے وہ تباہی آئی جو سورۂ تبت یدا میں بیان کی گئی ہے کہ ابولہب اور اس کی بی بی ام جمیل دونوں بہت عبرتناک موت کا شکار ہوئے ۔

سورۃ المدثر کی مذکورہ بالا آیتوں میں لوگوں کو ڈرانے اور رب اکرم کی بڑائی کرنے کے ساتھ ہی کپڑوں کی پاکی اور پلیدی کو چھوڑنے کا حکم ہے اور یہ کہ لباس پاک صاف ستھرا ہونا چاہیئے اور پلیدی سے نفرت ہونی چاہیئے ان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ ہمیشہ سے طور یہ تھا حضور صلعم اس درجہ نظافت پسند تھے کہ اپنا تو درکنار دوسروں کا میلا کپڑا تک دیکھنا

گوارا نہیں فرماتے تھے تاکہ ناپاکی کا خیال بھی نہ رہے۔ ایک شخص میلے کپڑے پہن کر آیا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ناپسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ اپنے کپڑے دھو لیا کرے۔ ایک شخص کو خراب لباس میں دیکھا تو فرمایا کہ اللہ نے دیا ہے تو صورت سے بھی اس کی نعمتوں کا اظہار کرو۔ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کرنے کا ایسا طریقہ تھا کہ جس سے آپ کے کھلے اعضا ہاتھ، منہ، سر، اور پاؤں اور کلی اور مسواک کے ذریعہ سے منہ کا اندرونی حصہ اور ناک کا اندرونی حصہ ہر نماز کے وقت صاف ہوتا رہتا تھا اور یہ سورۃ المدثر کی مذکورہ آیتوں کے ساتھ ہی سورۃ المائدہ کی وضو کے طریقہ والی آیت کی تعمیل بھی ہو جاتی تھی جہاں کہا گیا ہے۔ یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نماز کے واسطے کھڑے ہو تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لو اور مسح کرو اپنے سروں پر اور پاؤں اپنے ٹخنوں تک"۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جمعہ کو ضرور غسل فرماتے تھے جو اس طرح ہوتا تھا کہ آپ ہر بال کی جڑ تک پانی پہنچاتے تھے اور صاف کرتے تھے۔ صفائی اور پاکیزگی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبلت میں داخل تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزگی کو اس قدر خیال تھا ایک مرتبہ آپ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک شخص پر اس وجہ سے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ پیشاب سے اپنے کپڑوں کی حفاظت نہیں کرتا تھا۔

آج بھی آپ کا صحیح اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ آپ کے زندگی کے مقصد قرآن مجید کو مبیّن کیا جائے اور تبلیغ عام کے حکم کو پورا کیا جائے۔ اسی کے اختیار کرنے سے قرون اولیٰ میں سب کچھ ہوا تھا اور آج اسی کے ترک نے مسلمانوں کی حالت کو خراب کر رکھا ہے۔

قرآن کی رہنمائی میں سائنس کے کرشمے

جناب مولوی عبدالرزاق صاحب - ایچ - سی - ایس

فرنگستان ہر چیز کو ایک دوسری نظر سے دیکھتا ہے اور سائنس کے ہیبتناک نام سے اپنے نقطہ نظر کو مستقیم بنانا چاہتا ہے ۱۹۲۶ء میں ایک انگریزی روزنامہ میں ایک خود ساختہ فرنگی پیغمبر کی پیشین گوئی کا ذکر تھا جس نے شوشہ چھوڑا تھا کہ دنیا جس میں ہم لب رہتے ہیں اس سال ختم ہو جائے گی چنانچہ اس کے بتائے ہوئے وقت حشر کا نظارہ کرنے کے لئے امریکہ میں جوق جوق لوگ جمع ہوئے لیکن دنیا ختم نہ ہوئی البتہ کذاب کا کذب روشن ہو گیا کیوں کہ مخلوق کا پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے کہ ہمارے اعمال کی سزا و جزا کے لئے وہ کب قیامت برپا کرے گا۔

خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے اب تک متعدد نبی نے نفس کے دھوکے میں آئے اور ہولناک پیش گوئیاں کیں مگر ایک روز خود مٹ گئے اور تاریخ کے صفحات پر اپنی داغدار سوانح چھوڑ گئے۔ خدا کی خدائی قائم کر دی اور اس کے عالم الغیب ہونے پر کوئی داغ نہ آیا وہ جب تک زندہ رہے جاہلوں کا ایک ایک گلہ انہیں ہانکنے کے واسطے مل گیا اس کلجگ کے زمانہ میں پیش گوئی کرنیوالا ایک ور گروہ بھی ہے جو نبوت کا دعویدار تو نہیں ہوا مگر اپنے حساب سے اس نے دنیا کے خاتمہ کا اندازہ کیا وہ اس کی عمر ابھی کئی لاکھ برس بتاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی اس مخلوق کو کب ماریگا اور مردوں کو کب زندہ کریگا سائنس دان

اصحاب کا خیال ہے کہ اگر زمین کا انجام بھی ایسا ہی ہونے والا ہے جیسا کہ عطارد و زہرہ کا ہوا ہے تو ایک روز آئیگا کہ زمین اپنے محور کے گرد گھومنا چھوڑ دے گی۔ قوتِ محرکہ کے سلب ہو جانے پر وہ مُردہ ہو جائے گی۔ اُس وقت اُس کا ایک ہی رُخ سورج کے مقابل رہے گا اور وہ ہمیشہ اُسی حالت میں رہیگی۔ اُس کے ایک جانب دائمی آگ ہوگی، اور دُوسری جانب یخ۔ سورج کی طرف کا پہلو ہمیشہ روشن رہے گا اور دُوسرا پہلو تاریک۔ مگر اس کے لئے ابھی کئی کروڑ برس درکار ہیں۔

چاند اور مریخ کی بابت اب تک جو کچھ معلوم ہوا ہے اگر اس سے اندازہ کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ زمین روبہ فنا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پانی دنیا میں بسرعت کم ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ شمالی اقطاع جو کبھی خوب آباد تھے اب ویران اور سنسان پڑے ہیں ایسا ہی شمالی امریکہ کے بعض مقامات اور اُن کے کھنڈر بتا رہے ہیں کہ کبھی یہاں آبادی تھی اور آفرینندہ روزگار کی پیداوار کو جہاں ہر طرح کی آسائش حاصل تھی زمانہ کی رفتار و حالات کی بنا پر یہ بھی یقین کیا جاتا ہے کہ سمندر کی سطح خود اپنے پانی میں ڈوب رہی ہے۔ پروفیسر میکلین ایک مشہور سائنس داں ہیں انھوں نے بطریقِ ریاضی حساب کر کے ختمِ دنیا کے متعلق ایک تعجب خیز خیال ظاہر کیا ہے۔ اس ماہر طبعیات کا بیان ہے کہ ستارے حجم میں بڑھتے جا رہے ہیں جیسے جیسے وہ گزرتے ہیں ستاروں کی خاک (یعنی اس مادہ کی خاک جس سے ستارے بنتے ہیں) اور غیر متعلق مادے اپنے گرد لپیٹتے جاتے ہیں ایک وہ وقت آئے گا کہ بڑے بڑے اجسامِ فلکی اُصولِ کشش کے مطابق چھوٹوں کو اپنے اندر جذب کر لیں گے اور انجام کار صرف دو ستارے رہ جائیں گے ایک سورج اور دوسرا مشتری۔ پروفیسر موصوف پیشین گوئی کرتے ہیں کہ ہماری زمین اسی طرح مشتری میں مدغم ہو جائے گی مشتری اسی خاک اُڑا اُڑا کر اپنے گرد لپیٹ لے گا اور اگر صورتِ حال کی موجودہ رفتار

قائم رہی تو دنیا کے ختم ہونے اور روزِ قیامت کے قائم ہونے کو ابھی دس لاکھ کھرب برس چاہیئے۔ زمین کا یہ انجام انقلابی ہے اور اس پر بہت کچھ نکتہ چینی ہی نہیں ہوئی بلکہ بہتوں نے اس خیال کی مخالفت بھی کی ہے۔ مگر واضح رہے کہ منجموں کے نزدیک زمین خاک کا ایک ایسا ہی داغ ہے جیسا کہ صحرائے اعظم میں ریت کا ایک ذرہ ہوتا ہے اور جب ہم اپنے خاص نظامِ شمسی کا ستاروں کے بحرِ بے پایاں سے مقابلہ کریں تو اس کے سامنے ایک گرد ہے۔

نکولائٹس لا۔ کی رائے ہے کہ ہماری زمین آخر کار جل کر تباہ ہو گی۔ اس کا دعویٰ ہے کہ۔ چونکہ فضاء برق سے معمور ہو چکی ہے لہٰذا اس کا یہ نتیجہ ہو گا کہ اس میں کسی روز خود بخود آگ لگ جائے گی۔ ایک ہولناک دھماکہ ہو گا، دنیا شعلوں میں گھر جائے گی اور چند ساعت میں تمام زندگی فنا ہو جائے گی۔ بخلاف اس کے گرانٹ ایلن کہتا ہے کہ زمین کا غلاف ایک روز اسی طرح پھٹ جائے گا جس طرح یخ ٹوٹ جاتی ہے اور تمام زندگی ختم ہو جائے گی۔ اور بعض دیگر سائنس دانوں کا خیال ہے کہ فضا میں خوفناک تبدیلی واقع ہونے کا امکان پیدا ہو گیا ہے کیونکہ فضا کا مرکب مرورِ زمانہ سے بہت بدل گیا ہے۔ لاکھوں برس پہلے فضا میں جو کاربن ڈائی آکسائیڈ تھا اب اس کی مقدار قلیل رہ گئی ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ اس کی کافی مقدار پیدا کرنے کے لیئے آتش فشاں پہاڑوں کا وحشت ناک عمل تمام زندہ مخلوق کا گلا گھونٹ دے۔ ممکن ہے کہ کوئی دمدار ستارہ زمین کے پاس سے گزرتا ہوا زہریلی گیاس (ہوا) چھوڑ جائے کہ زندگی ناممکن ہو جائے۔ ممکن ہے کہ زمین میں سے ایسے بخارات برآمد ہوں جو تمام دنیا کو خشک کر کے اس کو بیجان کر دیں۔ غرض سائنس کو اختیار ہے کہ جو تجربے چاہے کرے اور جو چاہے پیشین گوئی کرے اندازہ لگائے۔ لیکن قدرتِ کاملہ کی آسمانی شہادت تو یہ ہے کہ:۔

"ایک دن ایسا آنے والا ہے جب آسمان اور زمین چاند و سورج اور

"تمام سیاروں میں تصادم ہوگا۔ پہاڑوں کے پرزے اُڑ جائیں گے۔"
"سمندروں میں نمی تک نہ رہے گی۔ برق اپنی خاصیت کھو دیگی۔"
"قانون جذب وکشش باطل ہو جائے گا۔ یہی دن قیامت کا دن"
"ہوگا جب انسان سے اُس کے اعمال خیر و شر کا حساب لیا جائیگا۔"

سورۃ تکویر

اے عقل و تجربے کے شیدائیو۔ اے سائنس کے فدائیو، قیامت کو دور سمجھ کر غافل نہ ہو جاؤ وہ آیا ہی چاہتی ہے۔ شاید

ہمیں نفس نفس واپسیں بود

فتبارک اللہ احسن الخالقین

"مصوّر نے اب اپنی آخری تصویر تیار کر لی تھی، یہاں تک کہ اُس میں اپنی رُوح بھی پھونک چکا تھا۔"

"اس تصویر میں اُن ساری تصویروں کے نقش و نگار موجود تھے جو اب تک بن چکی تھیں۔"
"مصوّر کو درحقیقت اسی تصویر کا بنانا مقصود تھا۔" "تصویر بول اٹھی" میں اب کیا کروں؟"
"مصوّر نے تصویر کے نازک ہاتھوں میں ایک نورانی چیز رکھ دی" یہ قرآن تھا۔"

"مصلح"

ناسخ و منسوخ

(علامہ عبداللہ العمادی)

ہفتہ کا روز ہے، ذی الحجہ کی دس شبیں گزر چکی ہیں، حج میں چار ہی دن باقی ہیں، قافلۂ حجاج روانہ ہو چکا ہے، اور جن کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی ان کی حسرتوں کی انتہا نہیں، ہجرتِ نبوی کا تین سو اڑتیسواں سال ہے، فسطاط کے قریب، دریائے نیل کے کنارے، ایک پیر مرد استغراق میں ہیں، اور اسی محویت کے عالم میں کچھ گنگنا بھی رہے ہیں مصر کی شادابی کا دریائے نیل کی طغیانی پر انحصار ہے، جس کا یہی زمانہ ہے، ایک راہگیر کا ادھر سے گزر ہوتا ہے، جہالت اس کو برانگیختہ کرتی ہے کہ یہ پیر مرد کوئی جادوگر ہے کہ رودِ نیل میں سیلاب نہ آئے اور نرخ کے چڑھ جانے کے لئے جادو کر رہا ہے، پیچھے سے ٹھوکر دیتا ہے، اس کی خشک مغزی دیکھ کر لہریں اٹھتی ہیں اور ان بزرگ کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہیں۔

یہ ڈوبنے والے بزرگ ابو جعفر نحاس تھے، جن کی شہرۂ آفاق کتاب "الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم" میرے مطالعہ میں ہے اس بلند پایہ کتاب پر تبصرے سے قبل دو باتیں کہنے کی ہیں۔

(۱) اسلام میں ناسخ و منسوخ کی اہمیت کیا ہے؟

(۲) ناسخ و منسوخ کی حقیقت کیا ہے؟

پہلی تنقیح کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایک دن ایک واعظ مسجد کوفہ میں وعظ کہہ رہا

تھا، جس میں کتاب اللہ سے استدلال کرتے ہوئے عذابِ الٰہی پر زیادہ زور تھا، ہنوز مجلس گرم ہی تھی کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور پوچھا: کون؟ جواب ملا: ایک واعظ۔ فرمایا: یہ واعظ نہیں، یہ اپنے آپ کو مشہور کرنا چاہتا ہے، اس سے پوچھو ناسخ و منسوخ جانتا ہے؟ اس نے عرض کی نہیں، فرمایا: فاخرج من مسجد ولا تذکر فیہ[1]۔ ناسخ و منسوخ کو نہیں جانتا تو ہماری مسجد سے نکل جا، یہاں وعظ نہ کہنا۔

دوسری تنقیح کو سمجھنے کے لیے "نسخ" کی تعریف سن لینی چاہیے:

نسخ یہ ہے کہ اصلاح کی غرض سے کسی حلال کو حرام، یا حرام کو حلال، یا مباح کو ممنوع، یا ممنوع کو مباح کیا جائے، یا ایک کھلی ہوئی راہ کو بند یا بند کو کھول دیا جائے[2]۔

یہاں محلِ بحث یہ ہے کہ اللہ کے علم میں تو نقص نہیں، یہ تو انسان کے ضعفِ علم و نقصان کا اقتضاء ہے کہ آج ایک حکم دیا، کل کو اس کی مضرت محسوس ہوئی تو اس کو منسوخ کر دیا، اللہ کے سامنے تو ہر زمانے کی مصلحت ہے، وہ ایسا حکم کیوں دینے لگا جسے بعد کو خلافِ مصلحت سمجھ کر منسوخ کرنا پڑے۔

یہی اعتراض ہے جس کی بنا پر بعض حضرات کلام اللہ میں ناسخ و منسوخ کے وجود سے ہی منکر ہو گئے، واقعہ یہ ہے کہ "نسخ" کا یہ مطلب ہی نہیں۔

یہ "بدا" ہے جس سے خود قدماؤں کو انکار ہے، نحاس کی توضیح ملاحظہ ہو:

---

[1] احمد بن علی عن ابی بکر عن ابی جعفر عن محمد بن جعفر الانباری عن یحییٰ عن معاویہ بن عمرو عن ابی اسحاق عن عطاء بن السائب عن ابی البختری

[2] النسخ تحویل العباد عن شئی قد کان حلالاً فحرم او کان حرامًا فحلل او کان مطلقًا فحظر او محظورًا فیطلق او مباحًا فیمنع او ممنوعًا فیباح، ارادۃ الاصلاح للعباد ص ۹

"اللہ نے رسول کو ایک حکم کیا تھا بھیجا جو موقت تھا (دوامی نہ تھا) اس حکم کے نافذ رہنے کی ایک مدت مقرر کردی جب وہ مدت پوری ہوگئی تو اس حکم کو بھی زائل کر دیا[1]۔

"نسخ" اور "بداء" کے فرق میں ایک مستقل بات ہے جو و سمجھنے کے قابل ہے: "اللہ کو انجام کا علم تھا جب اس نے ایک حکم دیا اسی وقت یہ بھی جانتا تھا کہ یہ حکم اتنی مدت کے لیے ہے اس مدت کے ختم ہونے پر باقی نہ رہیگا..... (۱) نماز کیلئے ایک مدت تک بیت المقدس قبلہ تھا جب یہ مدت ختم ہوگئی تو کعبہ ہو گیا (۲) رسول اللہ سے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ سرگوشی کرنیوالے کو صدقہ پیش کرنیکا حکم ہوا یہ حکم بھی میعادی تھا میعاد گزر گئی تو حکم بھی گزر گیا۔

"اللہ نے جو حکم جس وقت تک کیلئے دیا اُس وقت کے آتے ہی وہ حکم منسوخ ہو گیا مثلاً ایک قوم کیلئے ہفتہ کے دن کام کاج حرام قرار دیا تھا یہ بھی ایک وقت کی بات تھی دوسری قوموں کیلئے کام کاج حلال ہو گیا۔

"پہلے جو حکم دیا تھا اس میں بھی حکمت تھی، بعد کو جو منسوخ ہو گیا اس میں بھی حکمت تھی....."

اس توضیح کے بعد "بداء" کی حقیقت بھی دیکھ لیجیئے:

"بداء" یہ ہے کہ ایک عزم کیا اور پھر اس کو ترک کر بیٹھے، مثلاً تم نے کسی سے کہا: فلاں کے پاس جاؤ۔ پھر کہا نہ جاؤ تو یہ نقصانِ بشریت ہے! ور انسان کو یہ لاحق ہوتا ہی (اللہ اس سے منزہ ہی) اسطرح حکم دیا کہ اس سال فلاں چیز کی کاشت کرو، پھر اس کی ممانعت کردی، تو یہ بداء ہے[2]۔

ان اقتباسات سے اہل نظر اندازہ کر سکتے ہیں کہ ناسخ و منسوخ پر اعتراض کی گنجائش نہیں نسخ اسی حد تک ہے کہ بعض احکام میعادی و بعض موقت تھے گزرتے ہی منسوخ ہو گئے "اعتراض" بداء پر وارد ہوتا ہے مگر کلام اللہ کو "بداء" سے سروکار ہی نہیں۔ غلط فہمی نے جسکو "نسخ" سمجھ رکھا ہے وہ نسخ نہیں ہے "بداء" ہے

---

[1] صحیفہ اولیٰ

[2] صحیفہ تاسعہ و عاشرہ

حکومتِ الٰہی

مذہب اور حکومت

(مدیر)

مذہب کا دوسرا نام حکومتِ الٰہی کا قیام ہے اور شریعت اُن قوانین کو کہتے ہیں جو اس حکومت کے چلانے کے لوازمات سے ہوتے ہیں۔ دنیا کا ہر مذہب اپنے اندر یہی مقصد رکھتا ہے اور ہر مذہبی کتاب کی دراصل یہی غرض ہے

ہندو آج تک "رام راج" کا گن گاتے ہیں لیکن وہ اعلیٰ تخیل جو اس کے اندر کبھی پوشیدہ تھا اب بہت کچھ دلوں سے محو ہو چکا ہے اور "رام راج" کا مطلب "ہندو راج" سمجھا جانے لگا ہے۔

نصرانی تو گرجا کی نماز کے بعد دعا ہی یہ مانگتے ہیں کہ "اے آسمانی باپ جس طرح تیری حکومت آسمان پر ہے زمین پر بھی آئے" معلوم نہیں کہ اُن کا اس سے کیا مطلب ہے لیکن ظاہر الفاظ سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ نیکی کا دَور دورہ ہو اور انسان ظاہر و باطن طور پر جو کچھ کرے اللہ کی مرضی کے مطابق کرے

مسلمان جن کا مقصدِ حیات ہی یہ تھا کہ حکومتِ الٰہی کے اندر سانس لیں اور ان کی زندگی اور موت سب کچھ اسی کیلئے ہو وہ بھی کچھ کم اپنی جگہ سے نہیں ہٹ گئے ہیں۔ یہ ہر اس شخص کو جو کسی طرح سے حکمران بنگیا ہو اپنے کو مسلمان کہتا ہو اس کی حکومت کو اسلامی حکومت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے "مذہب کا دوسرا نام حکومتِ الٰہی کا قیام ہے" اور اس سے یقیناً کسی مذہب والے کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن آج دنیا کے ہر مذہب والے کی سب سے بڑی غفلت

اور فروگزاشت بھی یہی ہے کہ وہ اس مقصدِ عظیم سے اتنا ہی دور ہیں جتنا کہ زمین سے آسمان ۔

آج مذہب کا نام تو سبھی لیتے ہیں اور آپ نے سنا ہوگا کہ مذہب کیلئے کہتے ہیں کہ ہر روز خون پانی ایک کر رہی ہیں لیکن غور کیجئے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس فرقہ پرور ی کی تہ میں یا تو اُن کے ذاتی مفاد ہیں یا یہ اس طرح خوش اعتقادی اور جہالت کا شکار ہو رہے ہیں کہ اُن کو خبر ہی نہیں ہے کہ کیا ہونا چاہیئے تھا اور کیا ہو رہا ہے۔ اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی گروہ یہ کہتے نہیں سنا جاتا کہ ہم حکومت الٰہی کے قیام کے لئے لڑ رہے ہیں اور ہمارا مقصد آسمانی قوانین کا نفاذ پذیر کرانا ہے۔ عیسائیت کے لئے لڑنا، ہندویت کے لئے لڑنا اور نام نہاد مسلمانیت کیلئے لڑنا سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن حکومت الٰہی کے لئے نہیں ہے اور اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

جملہ مذاہب عالم کے پیشواؤں سے بجا طور پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آخر وہ چیز جو آپکے مذہب کا آخری اور واحد مقصد قرار پا سکتی ہے۔ "آسمان والے کی زمین پر حکومت" ہے یا اور کچھ اور اگر یہی ہے تو کیا ایک ہی بادشاہ کی رعیت کا آپس میں لڑنا اور اپنے کو الگ الگ سمجھنا کوئی عقلمندی کی بات ہے۔ اور اگر غور و فکر کسی صحیح نتیجہ تک پہنچا دے تو سب سے پہلے "ہمارے مذہب" اور "ہمارے وطن" کے ذلیل اور گرے ہوئے الفاظ زبان پر نہ لاؤ اور دل میں بھی اس بات کا یقین کر لو کہ "خدا کا مذہب" اور "خدا کی خدائی" اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں یا پارسی، یہودی ہوں یا نصرانی، بدھ مت والے ہوں یا جینی، اور اونچ ذات والے ہوں یا نیچ ذات والے سب اسی ایک حاکمِ اعلیٰ کے محکوم ہوں

مذہب سے حکومت کو جدا کرنا گویا گوشت سے ناخن کو جدا کرنا ہی لیکن مذہب وہی مذہب ہے جو خدا کیلئے ہو نہ کہ انسانوں کی نفس پرستی کیلئے اسلئے ہر مذہب والے کا فرض ہی کہ وہ مذہب کی غرض و غایت کو معلوم کریں اور اسی حکومت کا خواستگار ہو جو بنی نوع انسان ہی کیلئے نہیں بلکہ چرند و پرند کے لئے بھی امن و سلامتی کی حکومت ہو۔

عَبدِ سیّاطی

حضرت یوسف علیہ السلام

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ

اس قرآن کے ذریعہ جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ہم تم سے بہتر بہتر قصہ بیان کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو احسن القصص کے نام سے یاد فرمایا ہے یہ شروع سے آخیر تک عجیب و غریب بھی ہے اور اخلاق کی اعلیٰ باتوں سے مملو بھی حضرت یوسف علیہ السلام خدا کے برگزیدہ بندے تھے اس لئے سب سے بڑا سبق عبدیت کا ملتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ اللہ والے عبدیت کے دائرے سے کوئی قدم باہر نہیں رکھتے اور درحقیقت بیشک ایسا نہ کیا جائے روحانیت اور خدا پرستی کا دعویٰ ہیچ ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب

اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِاَبِيهِ اِلٰى آخر رکوعہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا اور اپنے والد بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا کہ اے والد بزرگوار میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ گیارہ تارے اور سورج اور چاند مجھکو سجدہ کر رہے ہیں

حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے اور اس کا مطلب معلوم کیا کہ گیارہ تاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں اور چاند اور سورج ان کے ماں باپ ہیں۔ چونکہ بھائیوں کے رشک وحسد کا خوف تھا اس لئے منع کر دیا کہ اے یوسف اللہ تعالیٰ تم کو برگزیدہ کرنے والا ہے اس خواب کو اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوشش کریں گے

بھائیوں کی بدسلوکی

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَاِخْوَتِهٖ اِلٰى آخر رکوعہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن میں بھی بے نظیر کیا تھا اور باطنی حسن میں بھی اور اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ ہر شخص آپ کا گرویدہ ہوتا خصوصاً ماں باپ کی محبت کے کیا کہنے اُن کی آنکھوں میں تو اُن کا جو کچھ وقار ہوتا بجا تھا۔ مگر یہ بات بھائیوں کو کب پسند آسکتی تھی وہ بھی علاتی بھائی

محبت کا یہ خاصہ ہے کہ محبوب کے سوا وہ دوسروں سے آنکھ پھیر لینے پر محب کو مجبور کر دیتی ہے اگر حضرت یعقوب علیہ السلام دوسرے بیٹوں کی طرف کم متوجہ تھے تو اس میں ان کا کچھ قصور نہ تھا اور یہ آئینِ محبت کے عین مطابق تھا۔ مگر بیٹوں نے الٹی تدبیر سوچی کہ ان کے محبوب ہی کو اُن سے جدا کر دیا جائے تاکہ ان کے لئے جگہ خالی ہو جائے اور باپ کے دل میں بجائے یوسف کے ان کی محبت سما جائے حالانکہ وصل سے زیادہ ہجر میں محبت بڑھ جایا کرتی ہے اور ایسا ہی ہوا بھی

ہونے والی بات شاید یوسف علیہ السلام نے خود ہی اپنا خواب اپنے بھائیوں سے کہہ دیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے پیغمبری کی آنکھ سے جو کچھ دیکھ لیا تھا جس کی بنا پر حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کے بیان کرنے سے منع کیا تھا وہ بات پوری نہ ہوئی اور بھائیوں نے آخر کار دشمنی پر کمر باندھ لی مشورہ یہ طے پایا کہ کسی کنوئیں میں ڈال دینا چاہئے تاکہ قافلے والے غلام بنا کر کسی دور دراز مقام پر بیچ ڈالیں۔ اس کے لئے ایک حیلہ تراشا اور باپ سے کہا کہ ہم جنگل کی سیر کو جاتے ہیں یوسفؑ کو بھی ہمارے ساتھ جانے دیجیے پہلے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے انکار کیا اور کہا کہ یوسفؑ کا تمہارے ساتھ جانا مناسب نہیں وہ چھوٹا ہے ممکن ہے کہ تم سیر و شکار میں مشغول ہو اور یوسفؑ کو کوئی بھیڑیا آ کر کھا جائے۔ بات کا یہ بھی ایک پہلو تھا ورنہ سارا خدشہ تو ان ہی بھیڑیوں سے تھا جو بھائی کی شکل میں نمودار ہوئے تھے

بیٹوں نے کہا اے باپ ہمارے لئے یہ بڑے شرم کی بات ہوگی کہ ہماری موجودگی میں ہمارے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے اور ہم بایں قوت و توانائی منہ دیکھتے رہ جائیں۔

بہرحال حضرت یعقوب علیہ السلام مشیت ایزدی سے مجبور تھے اور ممکن ہے کہ بھائیوں نے پھر

حضرت یوسفؑ ہی سے یہ کام لیا ہو کہ باپ سے اصرار کرکے ہمارے ساتھ چلنے کی اجازت حاصل کریں چنانچہ باپ نے بیٹوں کا کہنا مان لیا اور اپنے لختِ جگر کو خود ہی اپنے سے جدا ہو جانے کی اجازت دیدی۔

بھائیوں نے جنگل میں لیجا کر پہلے تو حضرت یوسف علیہ السلام کا کپڑا اتار لیا پھر معلوم نہیں اور کیا کیا بدسلوکیاں کیں اور آخیر میں ایک گہرے کنویں کے اندر ڈال دیا اور کُرتے پر کسی جانور کا خون ڈالکر روتے ہوئے باپ کے پاس آئے اور بولے کہ اے باپ ہم کھیل میں مشغول تھے کہ یوسف کو بھیڑیا آکر کھا گیا۔ باپ نے جس دل سے سنا ہوگا اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے، بیٹوں سے بولے کہ یہ تمہارے دل کی بنائی ہوئی بات ہے، یہ کیونکر ممکن ہے کہ یوسف کو تو بھیڑیا کھا جائے لیکن اُن کے کپڑے کو کچھ نقصان نہ پہنچے۔ خیر ہم صبر کرتے ہیں، صبر کا پھل بہت میٹھا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام پر اس اثناء میں کیا گزری اس کا علم اللہ ہی کو ہے اور معلوم نہیں کتنا وقت گزرنے پر یہاں ایک قافلہ وارد ہوا اور پانی نکالنے کے لئے آدمی نے کنویں میں ڈول ڈالا تو اس میں حضرت یوسف علیہ السلام بیٹھکر باہر نکل آئے۔ قافلہ والوں کو مفت کا مال ہاتھ آیا اور ابھی یہ اسی خوشی میں تھے کہ بھائی بھی آپہنچے اور اپنا بھاگا ہوا غلام بتا کر چند کھوٹے سکوں پر اپنے بھائی یوسفؑ جیسی جنس کو بیچ ڈالا۔ اس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ یوسف علیہ السلام ذلیل ہوں اور ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں سے پھر باپ کے پاس کبھی آہی نہ سکیں

حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں

وَقَالَ الَّذِیْنَ اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖ ۔ الی آخر (رکوع)

قافلہ والے مصر میں پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بطور غلام کے بیچ ڈالا جن کو مملکت مصر کے وزیر اعظم عزیز مصر نے خرید ا اور اپنی بیوی کے پاس

لیجا کر کہا کہ ہم اس کو اپنا لڑکا بنائیں گے اس لئے اس کو اُسی عزت اور شان کے ساتھ رکھنا چاہیے
حضرت یوسف علیہ السلام جب سِن بلوغ کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبری عنایت کی اور
اب اُن کا حسن و جمال بھی شباب پر تھا اور ضرور تھا کہ اُس وقت بھی آزمائش کی کسوٹی پر کسے
جائیں۔ چنانچہ عزیز مصر کی بی بی جو خود بھی بہت حسین و جمیل تھی اُن پر عاشق ہوگئی ایک دن اپنے
کمرے میں بند کر کے ناجائز کام پر آمادہ کرنا چاہا! آپ نے کہا! معاذ اللہ ایسا نہیں ہو سکتا،
میرے مالک نے تو مجھ پر نوازشیں کیں اور میں اس کی امانت میں خیانت کروں یہ صریح ناانصافی
ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ ناانصافوں کو فلاح نہیں ہوتی۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ پیچھا
چھڑا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور عزیز مصر کی بیوی زلیخا بھی اُن کے پیچھے دَوڑی اور دامن پکڑ لیا، دامن پھٹ
گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام دروازے سے باہر نکل گئے
عزیز مصر بھی اتفاق سے اُسی وقت دروازے پر پہنچا! اور یوسف علیہ السلام کو پریشان دیکھ کر سبب پوچھتا ہوا گھر میں لے
آیا، حضرت یوسفؑ نے تو ابتک امر واقعہ کا اظہار نہیں کیا تھا مگر چور کی داڑھی میں تنکا زلیخا نے سمجھ لیا کہ اُسے میری بات ضرور
کہہ دی ہوگی لہٰذا الٹے الزام دینے لگی کہ یوسفؑ نے میرے ساتھ بُرا ارادہ کیا تھا اس کو قید کی سزا ہونی چاہیے
اب حضرت یوسف علیہ السلام کا خاموش رہنا گناہ تھا اس لئے آپؑ نے سچ سچ بات کہہ دی۔
عزیز مصر نے کہا! تمہارے قول کی تصدیق کیونکر ہو، اس الزام سے بری ہونے کے لئے تم کو
گواہ پیش کرنا چاہیے، اس پر اُسی خاندان کے ایک شخص نے کہا کہ اگر یوسفؑ کا کرتا آگے کی طرف سے
پھٹا ہے تو زلیخا سچی ہے اور اگر پیچھے سے چاک ہے تو زلیخا جھوٹی ہے اور یوسفؑ سچا ہے۔
عزیز مصر نے دیکھا کہ کُرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو اس کو یقین ہوگیا کہ یہ ساری شرارت زلیخا
کی ہے اس لیے حضرت یوسفؑ سے تو کہا کہ اے یوسف جانے دو معاف کرو، اس بات کو کسی سے نہ کہنا
اور پھر زلیخا کی طرف مخاطب ہوکر بولا کہ بیشک تو ہی گنہگار ہے اپنی حرکت سے توبہ کر۔

حسنِ یوسفؑ اور زنانِ مصر

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ اِلٰی آخر رکوع ۴

جس طرح مشک کی خوشبو اڑتی ہے اسی طرح عشق کی خبر بھی پھیلتی ہے، زلیخا کے عشق کا چرچا بھی ہر جگہ ہونے لگا۔ شہر کی کچھ معزز عورتوں نے خصوصیت کے ساتھ زلیخا کو اس بات کا طعنہ دیا کہ اپنے غلام سے محبت کرتی ہے۔

زلیخا نے ایک دن ان عورتوں کی دعوت کی اور پھلوں کے ساتھ ایک ایک چھری بھی رکھ دی اور عین وقت پر حضرت یوسفؑ کو کمرے سے برآمد کیا، عورتوں نے ان کی خوبصورتی کو دیکھا تو آپے میں نہ رہیں، ہوش جاتے رہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ پھلوں کے بدلے اپنے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا، اور بول اٹھیں اللہ کی قسم یہ تو آدمی نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔" اس پر زلیخا نے کہا کہ یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم ہم کو ملامت کرتی تھیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ میں نے خواہش تو ضرور کی تھی مگر اس نے توجہ نہ کی اور اگر یہ اپنی ضد پر قائم رہا تو میں اس کو ضرور قید کرا دوں گی، زنانِ مصر نے بھی ڈورے ڈالے لیکن آخر میں زلیخا کی رائے سے اتفاق کیا کہ قید خانہ ہی اس کا علاج ہے جب وہاں کی مصیبتیں دیکھے گا تو آپ ہی راہ پر آ جائے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے کو اس مصیبت میں گھرا ہوا دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا کی کہ اے اللہ یہ عورتیں مجھ کو جس طرف بلا رہی ہیں اس پر میں قید خانے کو ترجیح دیتا ہوں" دعائے یوسفی" قبول ہوئی اور عزیزِ مصر نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ یوسفؑ کو قید کر دیا جائے

قیدِ یوسفی

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَیٰنِ ط اِلٰی آخر رکوع ۵

حضرت یوسف علیہ السلام قید کر دیئے گئے۔ عبادت کے بعد حق کی تعلیم و تبلیغ میں گزرنے لگی۔ ان کے ساتھ دو قیدی اور بھی داخل ہوئے تھے جو شاہی ملازم تھے اور

بادشاہ کی جان لینے کی سازش میں گرفتار ہوئے تھے۔ ایک روز ان دونوں نے کہا کہ اے یوسفؑ میں نے خواب دیکھا ہے کہ شاہی جام میں انگور کا شیرہ نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا! میرا خواب یہ ہے کہ میں اپنے سر پر روٹی کا ٹوکرا اٹھائے ہوا ہوں اور پرندے اس کو کھا رہے ہیں۔

شاید اسلئے کہ ابھی ایک کے خواب کی تعبیر اچھی نہیں تھی حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک دوسرا ذکر چھیڑ دیا کہ کہو تو ہم اس بات کی پیش گوئی کریں کہ آج جو جیل کا کھانا تمہارے لیے آئیگا وہ کیا ہے کیسا ہے اور اس کا کیا نام ہے" انھوں نے جواب دیا کہ ایسی باتیں تو نجومی کاہن اور جادوگر بھی بتا دیتے ہیں اس پر آپ نے پہلے شرک و بت پرستی کی برائی بیان کی اور توحید پرستی کی تعلیم دی پھر پیغمبرانہ نصیحت کی اور اس کے بعد فرمایا!

اے قیدیو! اپنے خواب کی تعبیر سنو! ایک جو آبدار ہے وہ تو رہا ہو جائے گا اور پھر شاہی خدمت پر مامور ہوگا لیکن دوسرا دار پر کھینچا جائے گا اور پرندے اس کے سر کا بھیجا کھائیں گے، پھر آبدار سے کہا کہ تو جب رہا ہو کر بادشاہ کے حضور میں پہنچنا تو میرے اس بے قصور قید ہونے کا ذکر بھی کرنا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو کب منظور تھا کہ اس کا خاص بندہ دوسرے کا آسرا سہارا بھی ڈھونڈے۔ اس لئے آبدار بادشاہ سے آپ کا ذکر کرنا بھول گیا اور آپ کئی برس تک قید ہی میں رہے۔

بادشاہ مصر کا خواب اور حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ اِلٰی آخر رکوع۔

مصر کے بادشاہ ریان نے بھی ایک عجیب و غریب اور خوفناک خواب دیکھا جس کی

اپنے لوگوں سے تعبیر چاہی مگر سب عاجز رہے۔ اب آبدار کو حضرت یوسف علیہ السلام یاد آئے اس نے بادشاہ سے ذکر کیا اور اس کی اجازت سے بادشاہ کے خواب کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس قید خانے میں آیا۔ خواب یہ تھا کہ سات موٹی گایوں نے سات دبلی گایوں کو کھالیا اور سات ہری بالیوں نے سات سوکھی بالیوں کو لپٹ کر خشک کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر یہ بتلائی کہ سات موٹی گایوں سے مراد سات پیداوار کے سال ہیں اور سات دبلی گایوں سے قحط سالی کے سات سال مراد ہیں اسی طرح سات سبز بالیوں اور خشک بالیوں کا بھی یہی مطلب ہے ساتھ ہی علاج بھی بتا دیا کہ سات برس تک مسلسل کھیتی کرو اور اس کے اناج کو بھس سے جدا نہ کرو بالیوں ہی میں رہنے دو تاکہ کیڑا اور گھن خراب نہ کرے۔ اور اس مدت میں ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کیا جائے کیونکہ اس کے بعد ہی سات برس تک مسلسل خشک سالی رہیگی جس میں وہ جمع کیا ہوا غلہ صرف کیا جائے اس کے بعد کال کے سمے گزر جائیں گے اور خوشحالی کی گھڑی آئیگی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے سر پر تاج شاہی۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ إِلَى آخر رکوع

شاہ ریان نے ساقی کی زبانی اپنے خواب کی تشفی بخش تعبیر سنکر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس طلب کرنے کے لئے آدمی روانہ کیا مگر آپ نے قید سے نکلنے سے اس وقت تک کے لئے انکار کر دیا جب تک کہ آپ پر جو الزام ہیں ان سے بریت نہ ہو جائے آپ نے شاہ ریان کے پاس کہلا بھیجا کہ ذرا ان عورتوں سے ہمارے متعلق دریافت کرے جنہوں نے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ بادشاہ نے

ان عورتوں کو طلب کیا اور حالات دریافت کئے تو سب نے ایک زبان ہو کر ان کی پاکی کا اقرار کیا۔ اور عزیز مصر کی بیوی نے بھی صاف صاف کہہ دیا کہ یوسف علیہ السلام سچے ہیں، اور سارا قصور ہمارا ہے۔

بادشاہ مصر نے دوبارہ کہلا بھیجا کہ اے یوسف سب عورتوں نے تمہاری پاکی کا اقرار کر لیا اب تم آجاؤ اور ان کو ان کے کرتوت کی سزا ملے گی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا مقصد اس سے سزا دلوانا نہیں تھا بلکہ یہ منظور تھا کہ ایک تو عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ اس کے گھر میں رہ کر میں نے برا کام نہیں کیا اور اس کے پیچھے اس کے پرورش کرنے کا حق ادا کیا اور دوسرے یہ کہ ہر شخص یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ برے کام کرنے والوں کی ہدایت نہیں کرتا اور یہ بھی جو میں کہہ رہا ہوں تو اس لئے نہیں کہ خدانخواستہ اس پر مجھ کو غرور ہے نہیں بلکہ اپنے پروردگار کی شکر گزاری منظور ہے۔

شاہ مصر حضرت یوسف علیہ السلام کے اوصاف سے پوری طرح آگاہ ہو چکا تھا آپ کی ذات کو اس نے غنیمت جانا اور اپنا مختار کل بنا کر قحط وغیرہ کے سارے انتظامات آپ کے سپرد کر دیئے۔

برادرانِ یوسف علیہ السلام

وَجَاءَ اِخْوَۃُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْہِ الی آخر کوع

قحط کا اثر عالمگیر تھا، اور غلہ مصر کے سوا کہیں نہیں ملتا تھا، چنانچہ کنعان سے بھی ایک قافلہ آیا جو برادران یوسف علیہ السلام پر مشتمل تھا، یہ لوگ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے تو یہ بھائیوں کو پہچان گئے مگر وہ ان کو نہ پہچان سکے۔ جب غلہ دیا گیا تو آدمی پیچھے ایک اونٹ بوجھ کے حساب سے اس پر ان لوگوں نے کہا کہ ہمارا ایک علاتی بھائی بھی گھر پر ہے جس کا اونٹ ہم لے کر آئے تھے کہ اس کے حصہ کا بھی غلہ لیجائیں گے حضرت یوسف علیہ السلام

نے کہا کہ ہم آدمی کے حساب سے غلہ دیتے ہیں اونٹ کے حساب سے نہیں اگر تم کو اپنے بھائی کا حصّہ بھی لینا ہے تو اب کے آنا تو اُس کو بھی ساتھ لیتے آنا، اور اگر ایسا نہیں کیا تو ہم تم کو جھوٹا سمجھیں گے اور سرے سے غلہ ہی نہ دینگے اور خبردار پھر تم ہمارے پاس آنا بھی نہیں۔ ادھر یہ کہا اور ادھر اُن کے تھیلیوں میں اُن کے وہ مال بھی رکھوا دیئے جو غلہ کی قیمت دینے کی غرض سے لائے تھے۔

برادرانِ یوسفؑ جب وطن پہنچے تو سارا واقعہ باپ سے بیان کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بہت تعریف کی پھر تھیلیے کھولے تو اپنی پونجی کو دیکھکر اور بھی خوش ہوئے، اور باپ سے اصرار کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بنیامین کو بھی اب کے اُن کے ساتھ مصر کو جانے کی اجازت دیں ورنہ غلہ نہیں ملیگا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام پہلے تو راضی نہ ہوتے تھے مگر آخر کار اجازت دیدی اور چند نصیحتیں کیں اور حفظ ما تقدم کی تدبیریں بتا کر اللہ پر بھروسہ کر کے روانہ کیا۔

دو بچھڑے ہوئے بھائیوں کا آپس میں ملنا

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ الیٰ آخر رکوع کنعانی دوسری مرتبہ جب حضرت یوسفؑ کے دربار میں آئے تو اور بھی زیادہ اُن کی خاطر و مدارات کی گئی، ایک خاص دعوت کے موقع پر یہ انتظام کیا گیا کہ ایک ایک میز پر دو دو سگے بھائی بیٹھ جائیں، سب نے ایسا ہی کیا اخیر میں ایک بنیامین بچ گئے اُنھوں نے اپنے کو تنہا دیکھا تو اپنے سگے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو یاد کر کے رونے لگے، حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کا ایک بھائی یوسف نامی تھا جو اس وقت اس کو یاد آ گیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو ہم ان کو اپنے ساتھ لیجا کر کھانا کھلائیں۔ بھائیوں نے کہا کہ آپ کی طرف سے یہ بھی ہماری عزت افزائی ہے۔

الغرض حضرت یوسف علیہ السلام اپنے سگے بھائی بنیامین کو اپنے خاص کمرے میں لے گئے اور اپنے کو ظاہر کر دیا پھر تسلی تشفی دے کر کہا کہ تم ہمارے پاس رہو ہم تم کو کسی طرح سے روک لینگے اور بھائیوں کو ابھی کسی بات کی خبر نہ ہونے پائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے چند روز کے بعد غلہ وغیرہ دیکر سب بھائیوں کو رخصت کیا تو "شاہی جام" بنیامین کے تھیلے میں اُن لوگوں کی آنکھ بچا کر رکھوا دیا اور پھر اسی الزام میں اُن کو روک لیا، بھائیوں نے رہا کرانے کی بہت کوشش کی مگر آخر کار بے نیل مرام کنعان کو لوٹ گئے۔

بدی کا بدلہ نیکی

فَلَمَّا اسْتَايْئَسُوا مِنْهُ الیٰ آخر رکوع

حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب اس نئے حادثہ کی خبر ملی تو حضرت یوسفؑ کا غم تازہ ہو گیا اور بے اختیار ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو یاد کرنے لگے۔ ثابت ہو چکا تھا کہ باوجود حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت کے اللہ تعالیٰ کی محبت کا درجہ بلند اور غالب ہے اور اب وقت تھا کہ رحمتِ الٰہی جوش زن ہو، اس لئے اس مرتبہ پھر بیٹوں کو بڑی امیدوں کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا۔

برادرانِ یوسفؑ پھر حضرت یوسفؑ کے پاس حاضر ہوئے اور اپنے باپ کی طرف سے جو کہنا تھا وہ کہا اور بتایا کہ ہم چور نہیں ہیں۔ بنیامین بوڑھے باپ کا سہارا تھے اُن کو آپ نے روک لیا ہے اس سے ہمارے باپ اور بھی محزون ہو گئے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے باپ کا پیام سنا تو ضبط نہ کر سکے اور بے اختیاری کے عالم میں بھائیوں سے بولے کہ وہ وقت بھی یاد کرو کہ یوسفؑ کے ساتھ تم نے کیا کیا تھا۔ بھائی پہلے سے بھی کچھ کچھ بھانپ رہے تھے کہ ہو نہ ہو یہ یوسفؑ ہے اب جو اُن کی زبان سے اس کلمہ کو سنا تو بے ساختہ بول اُٹھے کہ "کیا تم یوسفؑ ہو"، حضرت یوسفؑ نے کہا "ہاں! ہم یوسفؑ ہیں" اور بنیامین

ہمارا بھائی ہے ہم پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل فرمایا اور وہ واقعی گناہ سے بچنے والوں اور ایذا دہی پر صبر کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

بھائیوں نے بھی اعتراف کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم کو ہم سب پر فضیلت دی اور درحقیقت ہم سب قصور وار ہیں جو چاہے سزا دو۔ کریم ابن الکریم ابن الکریم نے ہنس کر کہا! لا تثریب علیکم الیوم۔ آج تم پر کوئی الزام نہیں ہم تمہارا قصور معاف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی تم کو معاف فرمائے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

کچھ دنوں تک بھائیوں کو شاہی مہمان رکھا پھر اہل کنعان اور اہل خاندان کے لئے بیش قیمت تحائف دیکر باپ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ آپ سب لوگ کچھ دنوں کے لئے ہمارے پاس تشریف لے آئیں یہ حال بھی معلوم ہو چکا تھا کہ فراق میں روتے روتے باپ کی آنکھیں جاتی رہی ہیں اس لئے اپنا قمیص بھی دیا اور کہا کہ اس کو والد بزرگوار کے چہرہ مبارک پر ڈال دینا گئی ہوئی روشنی پھر آجائے گی۔

انجام فَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ الیٰ آخر رکوع

مصر سے جب کنعان کی طرف قافلہ روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو پہنچ گئی اور جب پیراہن یوسفی یعقوب علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر ڈالا گیا تو آنکھیں روشن ہو گئیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اب تک جو صدمے اٹھائے وہ ضرب المثل ہیں لیکن اس وقت جو خوشی حاصل ہوئی اس کا اندازہ بھی کون کر سکتا ہے بیٹوں نے بھی اپنی خطا کا اقرار کیا اور کہا کہ اے والد بزرگوار اللہ تعالیٰ سے بھی ہمارے گناہ بخشے جانے کی دعا فرمائیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے پورے خاندان کو مصر میں اپنے پاس آنے کی دعوت دی

تھی اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام سب کو لے کر مصر میں آئے، اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے انکی رہائش اور استقبال کو جو کچھ شاہانہ انتظام نہ کیا ہو وہ کم ہے تخت شاہی پر اپنے باپ اور اپنی خالہ کو جو بمنزلہ ماں کے تھیں اور جنہوں نے اُن کی پرورش کی تھی اپنے ساتھ بٹھایا اور سب بھائی سجدہ تعظیمی بجا لائے اُس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب یاد آگیا اور کہا کہ اے باپ یہ ہمارے خواب کی تعبیر ہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ زلیخا نے اسلام قبول کیا" وہ بوڑھی ہو چکی تھیں پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعا سے دوبارہ جوان ہوئیں اور حضرت یوسف علیہ السلام سے اُن کی شادی ہوئی اور دو لڑکے بھی ہوئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو عمر کا حصہ بھی بہت ملا تھا، ان سب بخششوں پر آپؑ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور دُعا کی کہ دُنیا اور آخرت میں تو ہمارا کارساز ہو اور اے میرے خدا مجھے اپنی فرمان برداری کی حالت میں دنیا سے اُٹھا اور اپنے خاص بندوں میں شامل کرے۔

خوشنودیٔ محبوب

جب کسی ایک چیز کی محبت کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو دوسری چیز کی محبت مغلوب ہو جاتی ہے یہاں تک کہ محب بھی محبوب ہی کا تابع فرمان بن جاتا ہے اور اب صرف اس بات میں اس کی مسرت پنہاں ہوتی ہے کہ کاش اس کا محبوب اس کو کوئی حکم دے اور اس کے بجا لانے کا وہ فخر حاصل کر سکے۔

پس یہ ناممکن ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی محبت ہو اور وہ سراپا محکوم سراپا عبد بنکر کائنات کی ہر شے کو اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نثار نہ کر دے۔!

"مصلح"

مُحبّتِ الٰہی

مُحبّت کا مقام

(مولانا صوفی سید شاہ عبدالقادر صاحب رضا حیدرآبادی)

بندے سے اُس وقت تک کوئی نیک کام صادر نہیں ہو سکتا جب تک اللہ پاک کیجانب سے اُس کے دل میں توفیق کے نور کا شعلہ مشتعل نہ ہو۔

توفیق باب تفعیل سے ہے اس کے معنے کسی کو اپنے موافق کرلینے کے ہیں اور توفیق الٰہی سے مراد یہ ہے کہ خدا جب تک بندے کو اپنے افاضۂ لطف و کرم کے لئے موافق نہ بنائے گا اُس پر کسی صفتِ الٰہیہ کا افاضہ نہ ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ تخلقوا باخلاق اللہ کی تحصیل اس وقت تک محال ہے جب تک خود خدائے پاک محل کو درست نہ فرمائے۔ اور اسی درستگیٔ محل کا نام تسویہ ہے اور ہر تسویۂ قالب کے بعد اُس قالب میں رُوح کا پھونکا جانا حسبِ قرار دادِ سنتِ الٰہیہ لازم ہے۔

رُوح سے مراد مقوّمِ شئے ہے یعنی جس امر کی وجہ سے کسی شئے کا قیام وابستہ ہوتا ہے اسی امر کو رُوح کہتے ہیں "دل بھی ایک قالب ہے اور اس کی روح محبت" دل میں اگر محبت نہ ہو تو اس کی مثال تنِ بے جان کی ہے بلکہ بے جان قالب درحقیقت وہ قالب ہے جس کی تعبیر ہم مردہ پن سے بھی نہیں کر سکتے۔

انسان بھی اُس وقت انسان ہو سکتا ہے جب کہ اس کے قالب میں اُس کی رُوح جلوہ گر اور کارفرما ہو۔ کیونکہ قالب اور روح کے باہمی امتزاج کا ہی نام انسان ہے محض قالب کا شمار حیوانیت میں ہے اور محض روح کی گنتی ملکوت میں اس لئے "قالب حیوان" اور "روح

ملکؔ" کا نام ہے اگر انسان نے اپنے کو محض رُوحِ مطلق بنا لیا تو فرشتہ ہو جائے گا اور اسی طرح محض قالب کی طرف متوجہ ہوا تو حیوان بن کر رہ جائے گا

اوپر کی تقریر سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محض قالب کا شمار تو جمادات میں ہے اس کو حیوانیت میں کیونکر شامل کیا جا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میری مراد قالب سے قالب جمادی نہیں ہے ۔ بلکہ قالبِ حیوانی ہے یعنے وہ قالب جس نے رتبۂ جماد سے ترقی کر کے حیوانیت کے مرتبہ تک رسائی حاصل کر لی ہے ۔ یہی وہ چیز ہے جس کو مرتبۂ ناسوت کی انتہائی ترقی کہنا چاہیے ۔ یہ مسئلہ بھی یہاں سے سمجھ میں آ جانا چاہیئے کہ جب جماد حیوانیت کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے تو انسانی رُوح کے قالب کا تسویہ ہو جاتا ہے اور اب اس میں رُوحِ انسانی پھونکی جاتی ہے ۔

انسان کی تخلیق سے مقصود محض گرم بازاریِ عشق و محبت ہے جس کی نہ حیوانیت میں قوت تھی نہ ملکوت میں مگر یہی دونوں جب آپس میں ملا دیئے گئے تو ایک قالب تیار ہوا جس میں رُوحِ عشق و محبت کے پھونکے جانے کی استعداد ہو گئی ۔ اس وقت جنابِ باری نے عشق و محبت کی مقدس رُوح کو پھونک دیا ۔

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جسطرح حیوانیت انسانیت کا قالب ہے اسی طرح انسانیت بھی قالبِ رُوحِ عشق و محبت ہے ۔ اور انسانیت جب درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو گویا عشق و محبت کی رُوح کے لئے قالب کا تسویہ ہو جاتا ہے ۔ اور یہ طے شدہ امر ہے کہ قالب کے تسوے کے بعد رُوح کا پھونکا جانا لازمی ہی لہذا خدائے پاک جب چاہتا ہے کہ کسی قالب میں عشق و محبت کی رُوح کو پھونکے تو پہلے اس قالب کو انسانیت کے درجۂ کمال کو پہنچا دیتا ہے اور اسی پہنچا دینے کا نام توفیق ہے ۔

روحِ عشق و محبت کا محل انسان کے قالب میں دل ہے، آپ کہہ سکتے ہیں کہ دل قالب ہے اور عشق و محبت اس کی روح۔ قالب و روح کے اجتماع کے ساتھ ہی شئے کی شئیت قائم ہو جاتی ہے۔ تو گویا جس دل میں عشق و محبت نہ ہو وہ دل ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر دل ہوتا تو روحِ عشق کا قالب مسوّے ہوتا اور یہ معلوم ہے کہ تسوے کے بعد روح ضرور ہو جاتی ہے۔ پس جب روح نہیں ہے تو قالب و مسوّے بھی نہیں ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ جس دل میں عشق و محبت کی روح نہیں ہے وہ درحقیقت دل ہی نہیں ہے۔

دل کا تسلّط حواس خمسۂ ظاہری و باطنی پر مسلّم ہے جو محتاجِ بیان نہیں دل میں جو شئے بیٹھ جاتی ہے وہی حواس میں ہوتی ہے جس کے متعلق رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خبر دی ہے حُبّکَ الشَّئیَ یُعْمِی وَ یُصِمّ۔ دل میں بیٹھی ہوئی شئے آنکھ، کان اور جملہ حواس میں اُتر جاتی ہے۔ اور محبت اسی کو کہتے ہیں کہ دل کسی شئے کی طرف مائل ہو جائے اور جو شئی اس میلانِ قلبی کے بعد دل میں بیٹھ جائے اس کو محبوب اور صاحب دل کو مُحِبّ کہتے ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قولِ مبارک کی تصدیق باریتعالیٰ کے کلام اِینَمَا تولّوا فَثَمّ وَجْہُ اللہ سے بھی ہو رہی ہے تو اگر حضرت جلیل الشان جلت عظمتہ کسی کے دل میں بیٹھا ہوا ہے تو جس طرف نظر اُٹھے گی وہی نظر آئے گا جو آواز کان تک پہنچے گی اسی کی ہوگی۔

اگر کوئی شخص کسی شئے کی محبت کا دعوےٰ کرے تو اس کے سامنے غیر محبوب کی تصویر پیش کر کے دریافت کرو کہ یہ کس کی تصویر ہے اگر اس نے کہہ دیا کہ میرے محبوب کی تصویر ہے یہاں تک کہ ہماری استفساری آواز کو بھی وہ اپنے محبوب دلنشین کی آواز کہے تو تم اس کی ضرور تصدیق کرو اور اس کو محب اور اس شئے کو محبوب تسلیم کرو ورا گر اس کے خلاف

ہے تو فوراً تکذیب کر دو۔

ایمان و محبت ایمان نام ہے محبت کا اَلا ۔ لَا ایمان لمن لا محبت لہ۔ اسلئے
مدعیان محبت خدا و رسول کو لازم ہے کہ آنکھ اور کان کے دو
گواہ اس بات کے لئے پیش کریں کہ ان کی آنکھ اور ان کے کان کا کیا حال ہے اور نہیں تو
ہم یقیناً ان کو مومن حقیقی ماننے میں تامل کریں گے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کی بعثت مبارک کی حقیقی غرض بھی یہی
ہے کہ دلوں کو خدا کی ذات و صفات سے معمور فرما دیں۔ ایسے جلیل القدر نبیؐ اور اُن کا یہ کام
درحقیقت عند اللہ محبت کی جلالت و عظمت اور گرانقدری کی بیّن شہادت ہے پس حقیقی ایماندار
اور سچا مسلمان وہی ہے جس کو خدا اور رسول کی محبت ہو۔

لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ مسلمان کے یہ معنے ہیں کہ اس کے اعضاء و جوارح ظاہری سے بھی اپنے
محبوب دلنشین کی محبت کے انوار برستے ہوں "محبت کی قدر و قیمت"
مشک سے بھی زیادہ ہے اور معلوم ہے کہ مشک جہاں ہوگا اُس کی خوشبو ضرور پھیلے گی۔ یہ وہ
مشک کی بُو ہے جو نبوت کا کام کرتی ہے تو تمہارے اعضاء اور جوارح کے انوار جب مثل بوئے
مشک حضرتِ دلنشین کی نبوت کا فرض ادا کر رہے ہیں تو گویا تمہارے یہ اعضاء و جوارح نور نبوت
سے معمور ہیں اور تمہارا دل منزل گاہِ لا الٰہ الا اللہ اور اعضاء و جوارح مظہر محمد الرسول اللہ ہو گئے۔

حقیقی کلمہ کا ذکر بھی یہی ہے صرف زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہہ دینا حقیقی
مومن نہیں بنا سکتا بلکہ حقیقی مومن تو وہ ہے جس کے دل میں خدا کی محبت اور اس کا نور جو درحقیقت
صورتِ محمدیؐ ہے اُس کے اعضاء اور جوارح سے ہر آن ظاہر ہوتے رہیں۔

اِن تنصروا اللہ ینصرکم | اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا" وہ ایمان

اور اس کے آثار و برکات جس کا اوپر بیان ہوا اس کا حصول بھی توفیق الٰہی پر موقوف ہے اور اب ضرورت اس بات کی بتلانے کی ہے کہ توفیق الٰہی کو کس طرح حاصل کیا جائے تو اس کے لئے بھی خود ذات باری تعالیٰ نے فرما دیا ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ۔ معلوم ہوا کہ نورِ توفیق کے حاصل کرنے کے لئے ہم کو بھی کچھ کرنا چاہئے اور وہ استعداد و قابلیت پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا جیسے چراغ، تیل اور بتی اور اللہ کا کام اس کا روشن کر دینا ہے تو گویا ہمارا مستعد اور قابل بنجانا ہماری طرف سے مدد کرنا ہے اور اللہ کا مشتعل فرما دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت ہے۔

اہل الذکر و القرآن

نصرت جانبین کا جو کچھ اوپر بیان ہوا اس سلسلے میں ہمارا فرض قابلیت اور استعداد کا پیدا کرنا ہے اس کے لئے اہل الذکر کی صحبت اور حقائق قرآنیہ پر غور و تامل کرنا اور اسکی ذریعہ سے اپنے ظاہر و باطن کو سنوارنا ہے۔ اسکی پہچان اوامر کا بجا لانا اور نواہی سے پرہیز کرنا۔ صاحبِ صلاح و فلاح اور اخلاقِ حسنہ کے زیور سے آراستہ ہونا ہے یہی حصولِ استعداد و قابلیت ہے جو درحقیقت توفیق الٰہیہ کا مسوّے قالب ہے، پھر اس کی روح یعنی نورِ توفیق کا اس میں پھونکا جانا لازمی ہے اور نورِ توفیق خود ایک قالب ہے اور اس کی روح "محبتِ الٰہی"۔

شانِ عبدیت

مطلوب ہمارا تو ہی مقصود ہمارا تو ہے — سجدہ میں آیا ہم مسجود ہمارا تو ہے
جس حال میں تو رکھے راضی برضا ہیں ہم — ہم عبد ہیں اے مالک معبود ہمارا تو ہے

"مصلح"

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ ۝

پہلے قطاع الطریق اور ڈاکوؤں کے سردار تھے، اور علاقہ سرخس میں دن دہاڑے ڈاکے ڈالا کرتے تھے چنانچہ اُن کا یہ بھی دستور تھا کہ جس قافلہ کو لوٹتے، اس کا نام و پتہ مع تاریخ وغیرہ کے لکھ لیتے اور یہ بھی عادت تھی کہ جس قافلہ میں عورت یا لڑکا ہوتا اُس کو نہیں لوٹتے تھے۔

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بڑے پائے کے بزرگ ہوئے ہیں اُن کے تائب ہونے کا یہ واقعہ ہے کہ ایک رات اپنے گھر کو جا رہے تھے کہ ایک گلی سے گزر ہوا، کانوں میں آواز آئی کہ کوئی شخص اپنے بالا خانے پر یہ آیت شریف پڑھ رہا ہے۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ ! کیا ایمان والوں کے لئے اب بھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر کی طرف جھک پڑیں؟ انہوں نے سن کر کہا "ہاں البتہ وہ وقت آگیا ہے" اور وہیں سے اُن پر ایک حال طاری ہوا اور ڈاکہ زنی کے پیشہ سے سچے دل سے توبہ کی۔

تائب ہونے کے بعد وہ فہرست نکال کر دیکھی جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ لوٹ کا سامان جو کچھ موجود تھا اُن کو اُن کے مالکوں کے گھر لیجا کر دیا، قصور کی معافی چاہی اور جو مال صرف ہو چکا تھا اُس کے بارے میں عذر کر کے بخشوایا اور یہ کہکر راضی کیا کہ

میں فضیل ہوں وہ مال میرے پاس سے صرف ہو گیا ہے۔ اب میں نے لوٹ مار سے توبہ کی ہے۔ آئندہ ایسا کام نہ کروں گا تم اپنے حقوق پر راضی ہو کر بخش دو تاکہ بارگاہ ایزدی میں ہماری دُعا قبول ہو۔

خواجہ کے اس صدق دل سے عذر و معذرت پر بعضے تو اپنا مال طلب کرتے اور بعضے کہتے کہ ہم نے بخش دیا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ ایک یہودی تک پہنچا۔ جس کی کچھ اشرفیاں لوٹ میں جاتی رہی تھیں۔ یہ اُس کے پاس بھی آئے اور کہا:

خواجہ فضیل رح ! مجھے تو جانتا ہے کہ کون ہوں ؟

یہودی ! نہیں ! میں تم کو نہیں جانتا

خواجہ فضیل رح ! میرا نام فضیل ہے جو ڈاکہ زنی کے سبب سے مشہور ہے۔ اب میں اپنے کام سے شرمندہ ہوں اور توبہ کی ہے۔ ہمارے دین میں یہ بات ہے کہ توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ مدعی راضی نہ ہو۔ میں نے تیری کچھ اشرفیاں لوٹ میں لی تھیں وہ خرچ ہو گئی ہیں۔ پیدا کر کے تجھکو دونگا۔ یہ بجائے قرض میرے ذمہ ہونگی۔ مگر اس وقت راضی ہو تاکہ توبہ قبول ہو۔

یہ سنکر یہودی گھر میں گیا اور پھر جلد ہی واپس آکر بولا

یہودی ! اے فضیل میں نے قسم کھائی ہے کہ جبتک اپنا مال تجھ سے وصول نہ کرونگا ہرگز راضی نہ ہوں گا۔

خواجہ فضیل رح ! مجھ سے قبالہ لکھوا لے کہ میں تیرا مال ضرور دونگا مگر فی الحال مجھ کو معاف کر دے تاکہ توبہ قبول ہو۔

یہودی ! میں کیا کروں، قسم کھا چکا ہوں، اس لئے اس کے خلاف نہیں کر سکتا

خواجہ فضیلؒ! یہ سنکر حیران رہگئے اور پھر بولے خدا کیلیئے مجھکو معاف کردیں میں تیرا مال ضرور واپس کرونگا۔

یہودی! مشکل ہے، خیر تمہاری خاطر سے ایک حیلہ کرتا ہوں تاکہ میری قسم پوری ہوجائے وہ اسطرح پر کہ میرے پاس اور بھی سونا ہے وہ تم کو دیتا ہوں۔ تم اس کو اپنے ہاتھ میں لیکر مجھ کو واپس کردو تاکہ قسم پوری ہوجائے اور میں حانث نہ ہوں۔

خواجہ فضیلؒ! اچھی بات ہے ایسا ہی کر

یہودی خواجہ فضیلؒ کو اپنے ساتھ لیکر گھر میں گیا اور ایک ہمیانی کی طرف اشارہ کرکے کہا

یہودی! اس رکھی ہوئی ہمیانی میں زر نقد ہے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر مجھکو دیدو

حضرت خواجہ نے ایسا ہی کیا۔ یہودی نے اُس کو کھول کر دیکھا اور کہا! مجھ کو جلد کلمۂ توحید پڑھاؤ کہ میں اسلام لاؤں۔ آپ نے اُس کو مشرف با سلام کیا، پھر پوچھا

خواجہ فضیل! کیا بات دیکھکر تو ایسا جلد مسلمان ہوا اور اس سے پہلے اسلام سے راضی نہ تھا۔

یہودی! میں نے توراۃ میں پڑھا ہے کہ تائب کی توبہ قبول ہونے کی یہ دلیل ہے کہ وہ خاک اور سنگریزے کو ہاتھ لگائے تو سونا ہوجائے۔ جب آپؓ نے باتیں شروع کیں تو میں نے پہلے گھر میں آکر کچھ خاک و سنگریزے تھیلی میں بھر کر رکھدیا اور سوچا تھا کہ اگر تم سچے ہو اور تمہاری توبہ قبول ہے تو یہ خاک اور سنگریزے تمہارے ہاتھ میں سونا بنجائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لہٰذا میں تمہارے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔

یہودی کے مسلمان ہونے کے بعد یہودی کا سارا خاندان ہی مسلمان ہوگیا یہاں تک کہ اس واقعہ کو جس نے جس نے سُنا وہ بھی اسلام لے آیا۔

قرآن مجید کی جس آیت نے حضرت خواجہ فضیلؒ کو اس مرتبہ پہنچایا وہ اب بھی قرآن میں موجود ہے پھر کون ہے جو حضرت خواجہ کی سنت کو ادا کرے۔

خالی صفحه

معنی دار قرآن مجید

مع

بچّوں کی تفسیر

آٹھ روپے

معنی دار پارۂ عم

مع

بچّوں کی تفسیر

ایک روپیہ

ملنے کا پتہ تحریک قرآن اکیڈمی حیدرآباد دکن

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس